حضرت مولانا
حفیظ الدین لطیفیؒ
ایک تعارف
شاہ فیاض عالم ولی اللّٰہی چشتی نظامی

حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفی رح

ایک تعارف

شاہ فیاض عالم ولی اللّٰہی چشتی نظامی

نام کتاب	حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ ایک تعارف
نام مصنف	شاہ فیاض عالم ولی اللّٰہی چشتی نظامی
موبائل نمبر	8757013276/ 9934406882
سال اشاعت	۲۰۰۹ء
صفحات	۱۳۶
قیمت	۱۰۰روپے
تعداد	ایک ہزار
کمپوزنگ	منعمی کمپیوٹر، دریاپور، پٹنہ-۴
مطبع	لیبل آرٹ پریس، شاہ گنج، پٹنہ-۶
زیر اہتمام	دارالاشاعت لطیفی، رحمٰن پور (کٹیہار)

ملنے کے پتے:

☆ شاہ ریاض عالم لطیفی، رحمٰن پور، ڈاکخانہ، سیتلپور ردانکر وایابارسوئی، ضلع کٹیہار-854317

☆ اپنا کتب خانہ، مسجد فقیر تکیہ، کٹیہار

☆ کتب خانہ رحمانیہ، پوسٹ بارسوئی، ضلع کٹیہار

انتساب

اپنے والد ماجد، پیرومرشد

حضرت سید مخدوم شرف الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ

سابق سجادہ نشین خانقاہ لطیفی، رحمٰن پور

کے نام

جن کی تربیت، تعلیم اور ہدایات

کی وجہ سے

مجھے حضرت لطیفی رحمۃ اللہ علیہ

کی تعلیمات کے سمجھنے میں مدد ملی

شکریہ

سب سے پہلے بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ کا جس نے معذور اہل قلم کی اعانت کے طور پر مجھے دس ہزار روپیوں سے نوازا اور یہ رقم اس کتاب کی اشاعت میں جزوی حیثیت سے کام آئی۔

اس کے بعد شکریہ برادر عزیز پروفیسر سید علیم اللہ حالی سابق صدر شعبۂ اردو، مگدھ یونیورسٹی، گیا کا جن کا تعاون اس کتاب کی اشاعت میں مسلسل حاصل ہوتا رہا۔

اپنے بڑے لڑکے ڈاکٹر شہباز (اسسٹنٹ ایڈیٹر روزنامہ راشٹریہ سہارا، اردو بہار، پٹنہ) کا جس کی کوششوں سے یہ کتاب چھپ کر تیار ہوئی۔ ساتھ ہی اپنے لڑکے شاہ اعجاز عالم، شاہ ریاض عالم لطیفی، شاہ امتیاز عالم کا بھی شکریہ کہ جن کی سعادت مندیوں، خدمت گزاریوں نے مجھے گھریلو افکار سے بے نیاز کر کے سکون سے لکھنے پڑھنے کا موقع فراہم کیا۔

پیش لفظ

حضرت علامہ شاہ حفیظ الدین لطیفیؒ کے انتقال کو قمری سنہ کے حساب سے قریب ایک سو برس گزر چکے۔ وہ نہ صرف ایک بہت بڑے عالم تھے بلکہ بہت بڑے صوفی، شیخ طریقت صاحب کرامات بزرگ تھے ساتھ ہی ایک بڑے شاعر، مصنف اور محقق بھی۔ انہوں نے اپنے متوسلین مسترشدین کی ہدایت کے لئے کتابیں بھی لکھیں لیکن اکثر فارسی زبان میں اب جبکہ فارسی کا چلن قریب قریب ختم ہو چکا ہے۔ اکثر لوگوں کی رسائی ان کی کتابوں تک ہونہیں رہی ہے اس لئے میں نے برسوں تک بہت غور وفکر کے بعد ان کے افکار کی پہچان کے لئے یہ کتاب لکھی ہے اس میں ان کی سوانح عمری نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان عظیم شخصیتوں کی سوانح عمری اگرچہ سر چشمۂ ہدایت ہے لیکن معمول کی زندگی سے اہم ان کی تعلیمات اور ہدایت میں جو انہوں نے اپنے متوسلین کی رہنمائی کے لئے لکھی ہیں اور میں نے اس کتاب میں یہی چیز پیش کی ہے۔ اس میں ان کی کرامتوں کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ خود کرامتوں کو اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ شریعت کی پابندی پر زور دیتے تھے جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ اس کتاب میں میں نے ان کے مسلک کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ لوگ حضرت لطیفیؒ کو پہچان سکیں۔ میں نے بعض مسائل پر تفصیلی بحث کی ہے تو وہ حضرت حضرت لطیفیؒ کی بات کی وضاحت کے لئے ہے کسی معاملہ میں اپنی رائے تھوپنے کی کوشش نہیں کی ان کی جو بات لکھی ہے ان کی کتابوں کے حوالے سے یا عام معمولات سے جن سے لوگ واقف ہیں یا معتبر لوگوں سے سنی ہوئی باتیں ہیں۔ یہ کتاب قلم برداشتہ لکھی گئی ہے مختصر کتاب ہے اس میں کوئی خاص ترتیب نہیں ہے اس لئے قارئین کو پریشانی نہ ہوگی۔

﴿ مشورہ ﴾

اس کتاب کو پڑھ کر کسی کو تردد یا خلجان ہو تو اس کو چاہیے کہ اس کتاب کے صفحہ ۱۴، ۱۵
کو پڑھ کر غور کرے کہ وہ حضرت لطیفیؒ کے مطابق اعتقاد صحیح پر قائم و رحمت و شفقت کی نظر سے
تمام مخلوق کو دیکھتا ہے یا اعتقاد فاسد میں مبتلا ہو کر دشمنی اور جھگڑے کا راستہ کھول دیتا ہے۔
اگر وہ دوسرے گروہ سے ہے تو اسکا راستہ حضرت لطیفیؒ سے الگ ہے۔

شاہ فیاض عالم ولی اللّٰہی چشتی نظامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ ایک متبحر عالم، ایک صاحب معرفت صوفی ایک صاحب دل شاعر اور مصنف، شیخ طریقت، پیرومرشد، بے حد ذہین، عظیم محقق شخص تھے۔

یہ صوبہ بہار کے مشرقی ضلع پورنیہ (اب پورنیہ ڈویژن جو ۴ ضلعوں میں بٹ گیا ہے:- کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج، ارریہ) کے اعظم نگر بلاک سے ۲ میل اُتر موضع کنھریا میں پیدا ہوئے (اب یہ علاقہ کٹیہار ضلع کے بارسوئی سب ڈویژن میں واقع ہے۔)

پیدائش کی تاریخ کا صحیح پتہ نہیں۔ لیکن ان کا انتقال ۱۳۳۳ھ میں ہوا جو مطابق ۱۹۱۵ء ہے۔ واقف کاروں نے مجھے بتایا کہ حضرت لطیفیؒ کا انتقال ۹۵ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی پیدائش ۱۸۲۰ء کو ہوئی تھی۔ ان کے والد حسین علی کا انتقال حضرت لطیفیؒ کے بچپن میں ہو چکا تھا۔

تعلیم کا پس منظر:- حضرت لطیفیؒ کم عمری ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے یتیم بچے کی تعلیم و تربیت کے لئے کوئی مخلص، ہمدرد سرپرست نہ ہو تو اس کا برا حال ہوتا ہے۔ مولانا لطیفیؒ اپنے والد کے اکلوتے لڑکے تھے اور خاصی جائداد کے مالک تھے اس لئے خاندان کے لوگ ان سے حسد کرتے تھے، چاہتے نہیں تھے کہ یہ بچہ کچھ بنے۔

افسوسناک بات تو یہ کہ ان کی سرپرستی تو کیا کرتے ان کو دبانے اور کچلنے کی کوشش کرتے۔ اتنی جائداد کے مالک تھے کہ چین سے بیٹھ کر کھا پی سکتے تھے لیکن بچے تھے برادری والوں نے ڈرا دھمکا کر ان کو مجبور کیا کہ وہ گائے بیل چرائے تاکہ یہ جاہل رہے تو ہم لوگ جائداد ہڑپ کر لیں۔ حد تو یہ ہے کہ ایک روز کی غلطی سے چچا یا چچازاد بھائی نے ان کو ایک تھپڑ رسید کر دیا اس کا ان پر بہت اثر ہوا۔ یہ ذہین تو تھے ہی اور پڑھنے لکھنے کا ان کو بہت شوق تھا۔ لیکن خاندان والوں کے جبر کی وجہ سے ان کو پڑھنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ یہ تھپڑ ان کے لئے بہانہ بن گیا۔ اور

انہوں نے پڑھنے کا پکا ارادہ کرلیا اور وہ گھر سے بھاگ کر رسول پور پہنچ گئے۔ رسول پور گھریا سے اتر ایک گاؤں ہے قریب ۴ میل کے فاصلے پر یہاں نواب لوگ تھے۔ یہاں نواب زادوں کی تعلیم کے لئے اچھے قابل استاذ رکھے جاتے تھے۔ رسول پور میں مولانا کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔ ان کی ابتدائی تعلیم کے متعلق ان کے شاگرد (شروع سے اخیر تک) اور خلیفہ مولانا محمد عابد صاحب نے حضرت لطیفیؔ کے شعری مجموعہ دیوان لطیفیؔ کے اخیر میں یہ لکھا ہے:

حضرت شاہ لطیفیؔ در اوائل	حضرت شاہ لطیفیؔ نے شروع میں کچھ
بریاست موضع رسول پور	دنوں تک موضع رسول پور کے راج
چندے تعلیم یافتہ بودند بعدہ	دارہ میں تعلیم پائی تھی اس کے بعد کچھ
زمانے در شہر پتنہ وبعدہ در	دنوں تک شہر پٹنہ میں اس کے بعد دہلی
دھلی تکمیل تعلیم فرمودند	میں تعلیم کی تکمیل کی۔

حضرت لطیفیؔ کی ابتدائی تعلیم کے متعلق تو معلوم ہے لیکن پٹنہ میں کس مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اس کی خبر نہیں۔ میری دادی جان، جن کا میکہ بہار شریف سے قریب ڈمرانواں میں تھا، شادی پٹنہ سے ہی ہوئی تھی۔ اور پھر جب دادا جان سہسرام مدرسہ کبیر یہ میں مدرس ہوئے تو دادی جان بھی سہسرام میں ساتھ رہیں اور وہیں سے گھریا آئیں۔ ان کا انتقال ۱۹۴۴ء میں ہوا۔ میری عمر اس وقت ۲۴ برس کی تھی۔

دادی جان نے مجھے بتایا کہ حضرت لطیفیؔ پٹنہ کے لودی کٹرہ محلہ میں ایک بیوہ زمیندار خاتون تھیں چھوٹی شیخائن کے نام سے مشہور تھیں ان ہی کے یہاں حضرت لطیفیؔ نے رہ کر تعلیم حاصل کی اور پھر جب حضرت لطیفیؔ دہلی سے تعلیم حاصل کر کے پٹنہ لوٹے تو چھوٹی شیخائن نے ان کی شادی کرائی۔

حضرت لطیفیؔ کے دورۂ حدیث کے استاذ مولانا نذیر حسین محدث دہلوی تھے۔ یہ بات میرے والد حضرت مخدوم شرف الہدیٰ نے اور میرے پھوپھا مولوی عبدالمولیٰ جو گھریا کے تھے

اور دادا جان کے بھتیجے اور داماد اور شاگرد بھی تھے یہ میرے والد سے کافی بڑے تھے اور دادا جان کے بڑے داماد بھی انہوں نے بھی یہی بتائی اس کا ذکر آگے آئے گا۔

مولانا نذیر حسین محدث دہلوی بڑے مشہور عالم تھے دور دور سے لوگ ان سے حدیث پڑھنے آتے تھے عام اہل حدیث کے مقابلہ میں ان میں کچھ خاص باتیں تھیں جو ان کو عام اہل حدیث سے الگ کرتی تھیں (۱) وہ وحدۃ الوجود کے فلسفہ کے مبلغ تھے (۲) وہ فقہ حنفی کی اونچی کتاب ھدایہ کا درس دیتے تھے (۳) وہ حنفیوں کو حنفی مسلک کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔

اسی کا اثر تھا کہ حضرت لطفیؒ وحدۃ الوجود کے نہ صرف قائل بلکہ زوردار حامی تھے۔ انہوں نے ایک رسالہ (چھوٹی کتاب) دس صفحوں کا جس میں دلیلیں بھی دس ہی ہیں لکھا جس کا نام "تلک عشرۃ کاملہ" رکھا یہ فارسی میں ہے۔

مولانا نذیر حسین کی ایک اور بات ہے جو ان کے بے تعصب ہونے کی دلیل ہے ساتھ ہی حنفیوں سے ان کا شدید تعلق بھی ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ وہ جمعہ کی نماز برابر جامع مسجد دہلی میں پڑھتے تھے حنفی امام کے پیچھے اور عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نمازیں عیدگاہ میں پڑھتے تھے حنفی امام کے پیچھے۔ باقی اہل حدیث اپنے اماموں کے پیچھے پڑھتے ان کے ہم مسلک لوگوں نے کہا کہ آپ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز اور عام عیدگاہ میں عید بقرعید کی نماز حنفیوں کے پیچھے کیوں پڑھتے ہیں جبکہ یہ لوگ بدعتی ہیں اس پر انہوں نے کہا کہ بھائی عیدگاہ اور جامع مسجد سے بڑی جماعت کہیں نہیں ہوتی اور بڑی جماعت میں ثواب زیادہ ملتا ہے اور میں جامع مسجد یا عیدگاہ میں کوئی بدعت کرتے نہیں دیکھتا ہوں اسی وجہ سے حضرت لطفیؒ اہل حدیث کے شاگرد تھے مگر اپنے حنفی مسلک پر قائم رہے اور ساتھ ہی بے تعصب بھی رہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اہم کتاب "لطائف حفظ السالکین" جو انہوں نے اپنے مریدوں کی ہدایت کے لئے لکھی ہے اس سے کچھ ضروری باتیں بتاؤں اس سے ان کے مشن، ان کے مزاج اور ان کے مسلک کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔

لطایف حفظ السالکین کتاب لکھنے کا مقصد:-

''اس سوداز دہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ نیک راہ کے چلنے والوں کی حفاظت کے لئے (جو اس ناچیز کی فضیلت نہیں بلکہ محض اپنے حسن ظن کی وجہ سے اس نیاز مند سے عقیدت رکھتے ہیں) چند سطریں سلوک کے ضروری مسائل سے متعلق دائرہ تحریر میں لائے تا کہ یہ لوگ اس دائرے سے باہر قدم نہ رکھیں۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں بہت سی بدعتیں بے شمار آفتیں رونما ہو رہی ہیں جو ایک سالک کو نیکیوں کی راہ سے ہٹا سکتی ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر قادر مطلق صاحب اسمائے حسنیٰ حافظ حقیقی ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو ان بدعتوں اور دوسرے مفاسد سے محفوظ رکھے''۔

(لطایف حفظ السالکین ص:۴،۵)

یعنی اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ (۱) لوگ بدعتوں سے بچیں (۲) انہوں نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے لوگ اس سے باہر قدم نہ رکھیں۔

علم دین حاصل کرنا: حاصل کلام عاقبت اندیش اور سچے طالب (یعنی جو راہ سلوک اور تصوف کا طلبگار ہو) زخمی دل راست باز کو چاہیئے کہ (۱) پہلے صرف ونحو سے اچھی لیاقت حاصل کرے کہ کلام عرب کے پڑھنے اور مراد کے سمجھنے میں راہ پائے (۲) اس کے بعد قرآن فیض ترجمان کا ترجمہ اور مشکوٰۃ المصابیح یا امام محمد کا موطا یا بلوغ المرام اس طرح پڑھے کہ صرف و نحو کی مشکلات حل کرنے سے عاجز نہ رہے (۳) فن فقہ سے کنز الدقائق کافی ہے (۴) تصوف میں مصباح الہدایۃ کافی ہے (۴) منطق میں قطبی سے اوپر ہوس ہے (۵) اگر ہو سکے تو شرح عقاید نسفی اور ہدایۃ الحکمۃ بھی پڑھے اگر کسی مرید کے لئے اس کام کا انجام دینا دشوار ہو تو اس کو چاہیئے کہ ایک مدت تک ایسے شیخ کے خدمت میں جو عالم، سنت کا تابع، بدعت کا دفع کرنے والا ہو اور مشاہدہ اور مکاشفہ والا ہو صحیح معرفت اور ذوق حاصل کرے۔ (ظاہر ہے جب مرید کے

لئے ایسی ہدایت ہے تو پیر کا عالم ہونا ضروری ہے کیونکہ پیر رہبر (لیڈر) ہوتا ہے اور جب وہ عالم نہ ہوگا تو وہ نہ تو شریعت سے واقف ہوگا نہ طریقت سے تو مرید کو کیا راستہ دکھائے گا۔

بقول شاعر:

او خودکه گم رد است کرا رهبری کند — جو خود گم راہ ہے وہ کس کو راستہ دکھائے گا

اگر مبادا کوئی دونوں کاموں میں سے کسی کو اختیار نہ کر کے چاہے کہ اپنے خیال کے پاؤں سے معرفت کے میدان کو طئے کر کے قربت (خداوندی) کی فضا میں بار پائے تو یہ بات بیشک درست نہ ہوگی کیونکہ جنات اور انسانوں میں بہت سے راہزن راہ میں ہیں کہ ان کا کام یہی ہے کہ صادقین کو لوٹیں اور سنت اور راستی سے پھیر کر بدعت اور گمراہی اور کجی میں ڈال دیں۔ بزرگوں نے کہا کہ کسی پر ایمان کا نور ظاہر نہیں ہوتا مگر سنت کے اتباع اور بدعت کے ترک کرنے سے۔ (لطائف حفظ السالکین، ص: ۶۳، ۶۴، ۶۵)

حضرت لطیفیؒ کے بیان کا یہ ٹکڑا جو نقل کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) تصوف یا طریقت کی راہ کو اختیار کرنے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ علم دین اتنا حاصل کرے جو حضرت نے بتایا ہے۔

(۲) اگر یہ نہ کر سکے تو ایسے پیر کی خدمت میں ایک زمانہ تک رہ کر یہ کمی پوری کرے۔

(۳) پیر کو عالم ہونا چاہیئے ساتھ ہی پیر سنت پر عمل کرنے والا ہو اور بدعت کو دور رکھنے والا ہو۔

سلوک طریقت و تصوف کے کام شروع کرنے کا وقت:

تمام سچے صوفیوں اور اولیاء اللہ کی طرح حضرت لطیفیؒ بھی شریعت کی پابندی پر زور دیتے ہیں چنانچہ حضرت لطیفیؒ فرماتے ہیں "جب مرید شریعت کے طریقہ پر درست ہو جائے اور حدود (یعنی شریعت کی جو حد بندیاں ہیں) و احکام شرعی سے بال برابر تجاوز (یعنی حدوں سے باہر) نہ کرے اور کھانے، پینے، بولنے، سونے، چلنے اور گھربار کے متعلق دوسرے کاموں میں ضرورت کے مطابق کفایت کرے اور کبھی کسی فضول کام میں مشغول نہ ہو۔ اور ظاہر فتوی سے

تقویٰ کی طرف رجوع کرے اور صوفیوں کے عقاید پر چست درست رہا کرے اور مدعیوں کی نکالی ہوئی بدعتوں سے بالکل پرہیز کرتا رہے تو البتہ اس کے سلوک کے کام کے (شروع) کرنے کا وقت پہنچے گا۔ (لطائف،ص:۱۲۲،۱۲۳،بارہواں لطیفہ)

مطلب یہ کہ راہ سلوک (طریقت) میں چلنے کے لئے بنیادی شرطیں یہ ہیں کہ شریعت کے حکموں پر اس طرح چلے کہ بال برابر اِدھر اُدھر نہ ہٹے اور زندگی کے تمام کاموں میں ضرورت کے مطابق کفایت کرے۔ کسی فضول کام میں مشغول نہ ہو اور لوگوں کی نکالی ہوئی تمام بدعتوں سے بالکل پرہیز کرے۔

حضرت لطیفیؒ کی ان ہدایتوں سے موجودہ زمانہ کے جاہل پیروں نادان مریدوں کی ان باتوں کی (کہ اب تو مرید ہو چکے ہم کو کچھ نہیں کرنا ہے پیر صاحب ہم کو جنت میں لے جائیں گے اور یہ لوگ شریعت پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں شریعت الگ اور طریقت الگ ہے) جڑ کٹ جاتی ہے۔

ولی کون ہے:

ولی کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ولی ''محفوظ'' ہو جیسا کہ پیغمبر کے لئے معصوم (گناہوں سے بچنا) ایک شرط ہے۔ جس شخص پر شریعت کی طرف سے کوئی اعتراض ہو وہ شخص فریب خوردہ اور دھوکا کھایا ہوا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی (ایک بہت مشہور اور بڑے ولی اللہ) قدس سرہ نے ایک ایسے شخص سے ملنے کا ارادہ کیا جو ولی مشہور تھے۔ یہ جب اس کی مسجد میں پہنچے تو ولی صاحب کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے آخر کار وہ صاحب نکلے اور قبلہ کی طرف تھوک دیا، تو حضرت بایزید نے اس شخص کو سلام تک نہیں کیا اور پلٹ آئے اور فرمایا کہ یہ شخص شریعت کے آداب میں سے ایک ادب کا محافظ نہیں ہے تو پھر یہ شخص خدا کے رازوں کا محافظ کیسے ہو سکتا ہے۔ (لطائف،ص:۱۵) اللہ اکبر ذرا غور کیجئے کتنی بڑی بات مولینا کہہ رہے ہیں۔ یعنی شریعت میں ناجائز چیزوں سے بچنا،

جائز پر عمل کرنا، فرض واجب، سنتوں پر عمل کرنا صرف کافی نہیں بلکہ ولی کے لئے شریعت کے ادبوں کا بھی خیال کرنا ضروری ہے خواہ وہ کام جائز ہی کیوں نہ ہو۔ آجکل ایسے بھی پیر دیکھے گئے ہیں جو نہ نماز کے پابند ہیں نہ روزے کے اور کہتے ہیں کہ ہم اہل طریقت ہیں ہم پر شریعت کے احکام لاگو نہیں۔ جب پیر کا یہ حال ہو تو مریدوں کا حال تو اور بھی بدتر ہوگا۔ ایسے لوگ اسلام کے سخت مخالف ہیں اس لئے کہ اسلام نام ہے اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کا جس کو شریعت کہتے ہیں اور شریعت کی مخالفت اللہ اور رسول ﷺ کے احکام سے بغاوت ہے۔ حضرت لطیفیؒ نے اپنی وصیت نمبر-۲، ص: ۵۷ میں جو فرمایا ہے اس سے اس بات کی اور وضاحت ہوگی:

> ''مرید کو نہیں چاہیئے کہ کبھی شریعت کی حدوں سے تجاوز کرے اور اچھی طرح جان لے کہ جب تک شریعت کی بارگاہ سے اس پر کوئی شبہہ یا کوئی اعتراض باقی رہے تو سلوک کا کام اس کو کسی چیز یا مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتا۔ حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ''اگر تم (اے مرید) کسی کو دیکھو کہ کرامتوں سے اس کو اتنا زیادہ حصہ ملا ہے کہ وہ ہوا پر اُڑ رہا ہے تب بھی یہ نہ چاہیئے کہ تم اس پر فریفتہ ہو جاؤ یہاں تک کہ خوب غور کرلو کہ امر (جن باتوں کا حکم ہے) و نہی (جن کاموں سے منع کیا گیا ہے) کے بجالانے اور حدود (شریعت) کی حفاظت اور احکام کی بجا آوری میں اس کو کیسا پاتے ہو''۔ (یعنی کسی کو دیکھو کہ کرامت کے زور پر وہ ہوا پر اڑتا ہے تو اس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ جب تک کہ اچھی طرح دیکھ نہ لو کہ وہ شریعت کا پورا پابند ہے یا نہیں شریعت کے ادبوں پر اس کا عمل ہے یا نہیں اگر نہیں تو پھر وہ جادوگر ہو سکتا ہے صاحب کرامت ولی نہیں۔)

اعتقاد صحیح اور اعتقاد فاسد:

حضرت لطیفیؒ نے اپنی کتاب مکتوبات لطیفی میں ایک نہایت عالمانہ اور صوفیانہ طریقہ

سے صحیح اعتقاد اور فاسد اعتقاد کی بحث درج کی ہے اس کا جاننا نہ صرف مفید بلکہ ضروری ہے۔ وہ لکھتے ہیں "اعتقاد کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح اعتقاد جیسے بڑے صحابہ اور نیک اولیاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا۔ دوسرا اعتقاد فاسد جیسے اعتقاد محجوبانِ ملت کا جو رسم و عادت کے قیدی ہیں (محجوبان کا مطلب ہے وہ مسلمان جن کی نفسوں پر حرص و ہوا، جہالت، کج فہمی بے عقلی کا پردہ پڑا ہے وہ اللہ اور رسول ﷺ کے کلام کی سمجھ سے ناآشنا ہیں) اعتقاد صحیح کے حاصل کرنے کا مرکز حضور پرنور ﷺ کے زمانے میں خود حضور کی ذات تھی ....اور حضور کے اس دنیا سے پردہ کر لینے کے بعد ہر روز نفسوں کی تاریکیاں اور رغبتیں دنیا کی طرف زیادہ ہوتی گئیں جوں جوں حضور ﷺ کے زمانے سے دوری زیادہ ہوتی گئی خرابیاں بڑھتی گئیں۔

لیکن اولیائے کرام اس زمانہ تک حضرت نبی ﷺ اور صحابہ کے اعلیٰ طبقہ کی اور ثانی طبقہ چنے ہوئے تابعین (تابعی وہ شخص جو مسلم ہو اور کسی صحابی سے ملا ہو) کی تقلید اور پیروی میں نفسانی خواہشات اور دلوں کی کجی سے محفوظ اور دنیا و مافیہا سے رخ پھیرے ہوئے حق کی طلب میں یک دل اور یک جہت ہو گئے ہیں۔.... اور مشاہدہ کی دولت اور مکاشفہ کی نعمت کے شرف سے مشرف اور ممتاز ہیں اور محجوبان ملت کی طرف رحمت کی نظر سے، دیکھتے ہیں اور ان کے ساتھ عناد (دشمنی) کا طریقہ اختیار نہیں کرتے..... صوفیوں کے حالات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے دلوں نے محبت الٰہی کی مٹھاس پانے کی وجہ سے دنیا کی محبت سے پورے طور پر منہ پھیر لیا ہے اور جھگڑے اور مخالفت کی رگیں ان سے نکل گئی ہیں اور صوفیاء رحمت و شفقت کی نظر سے تمام مخلوق کو دیکھتے ہیں اور عداوت اور مخالفت کے عذاب سے نجات پا چکے ہیں اور ان کو نجات پایا ہوا فرقہ کہا جاتا ہے سچے طالب کو چاہیئے کہ تمام حالات میں ان کی پیروی کرے تاکہ اعتقاد صحیح تک پہنچے اور اعتقاد فاسد سے چھٹکارا پائے۔ اب واپس آئے اعتقاد فاسد کے بیان کی طرف جاننا چاہیئے کہ اعتقاد فاسد کے پیدا ہونے اور اس کا مرکز شروع حالت میں یہ ہے کہ بچوں کے سادہ دلوں میں باپ داداؤں کی رسموں اور عادتوں کو بار بار سننے سے ان کے نقش جم جاتے ہیں۔

یہاں تک کہ کچھ دن گذرنے اور خاص کر لمبی مدت گذرنے کے بعد وہ آبائی رسمیں ان کے دلوں میں پتھر کی لکیر کی طرح جم جاتی ہیں اور ان کے دل اور نفس اس پتھر کے نقش سے مزین اور منقش ہو جائے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جس کو بھی یہ لوگ اپنی ملت اور اعتقاد کے خلاف دیکھتے ہیں اس کو باغی اور گمراہ قرار دیتے ہیں اور دشمنی اور جھگڑے کا راستہ کھول دیتے ہیں اور اپنے گمان کے مطابق سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنے مسلک کے ثابت کرنے کے لئے دلیلیں اکٹھی کر لی ہیں۔ اور یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم پایۂ تحقیق تک پہنچ چکے ہیں اور تقلید (پیروی) کے دائرہ سے باہر آ چکے ہیں۔ لیکن اگر حقیقت میں دیکھیں تو یہ لوگ اسی طرح اپنے اماموں اور اپنے مذہب کے علماء کی تقلید (پیروی) کے قید میں گرفتار ہیں کہ اپنے حسن ظن (نیک گمان) اور اُن کی رائے کے درست ہونے کے خیال سے ان دلیلوں کو جو ان کے گروہ کے مطابق ہیں ان سے قبول کر لیا ہے۔ اس مکتوب کے آخیر میں وہ دعاء کرتے ہیں کہ "حق سبحانہ وتعالیٰ آپ بھائی کو اعتقاد صحیح و درست تک پہنچائے اور اعتقاد فاسد اور رسموں اور عادتوں کی آفتوں سے نجات دے"۔

(مکتوبات لطیفی، ص:۲۶-۲۵)

مطلب یہ کہ حضرت لطیفیؒ فرماتے ہیں کہ اعتقاد صحیح کی بنیاد اور حاصل کرنے کا خزانہ حضور ﷺ، اونچے درجہ کے صحابہ اور تابعین کی تعلیمات ہیں انہوں نے محدثین اور فقہ کے اماموں کا تذکرہ نہیں کیا یہاں تک کہ عقاید کے اہل سنت والجماعت کے امام ابوالحسن اشعری، ابوالمنصور ماتریدی تک کے نام نہیں لئے۔ اس لئے کہ ان کے عقاید کا خزانہ بھی اُن ہی حضرات کی تعلیمات ہیں رہے دیوبندی بریلوی کس شمار قطار میں ہیں۔ اسی سے مولانا کے خیالات صاف معلوم ہوتے ہیں ساتھ ہی حضرتؒ نے اعتقاد صحیح اور فاسد کی صحیح نشاندہی کر دی ہے جو لوگ مخلص اور تعصب سے پاک ہیں وہ اچھی طرح مولانا کی باتیں سمجھ سکتے ہیں۔

جعلی پیروی کی مخالفت: حضرت لطیفیؒ ایک صاحب معرفت صوفی اور بہت بڑے عالم دین تھے جہاں انہوں نے قدم قدم پر سنت پر عمل اور بدعتوں سے پرہیز کی تعلیم دی اور تاکید

کی ہے وہیں جعلی اور دھوکہ باز پیروں کے خلاف بھی لکھا ہے وہ یہ ہے:

''اس سفر میں دو دستار بندوں آدم ردا ابلیس خو (صورت میں انسان خصلت میں شیطان) (پگڑی والوں) کے عجیب واقعات کی خبر مجھے لوگوں نے دی (۱) ایک وہ شخص کہ علاقہ کے کسی آدمی کی دعوت قبول نہیں کرتا تھا جب تک کہ دعوت کرنے والے سے مرید ہونے کا وعدہ نہ لے لے اور اگر کسی وقت مصلحت کی وجہ سے ایسا پیشگی وعدہ نہ لے سکے اور دعوت قبول کر کے دعوت والے کے گھر پہنچ گیا تو کھانا کھانے سے پہلے کہتا ہے کہ جب تک تم میرے مریدوں کے حلقہ میں داخل نہ ہو گے میں کھانا ہرگز نہ کھاؤں گا بلکہ کھائے بغیر تم سے ناراض ہوکر چلا جاؤں گا۔ اس صورت میں وہ دعوت کرنے والا بغیر رغبت اور بغیر عقیدت مندی کے صرف زبان سے نہ دل سے اس کا مرید ہوکر اس کو پیر بنالیتا ہے اور اس کو کھانا کھلاتا ہے اور کچھ رقم اس کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اور بس (۲) ہاں دوسرے کا قصہ یہ کہ ان پگڑی والوں میں سے ایک مرید کرتے وقت ہر ایک مرد اور عورت کو الگ الگ اپنے ساتھ خلوت (اکیلے) میں لے جاتا ہے اور کسی کو بھی اس خلوت (اکیلی جگہ) میں جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ عالم الغیب (اللہ) ہی جانتا ہے کہ کس کے ساتھ وہ کیا معاملہ کرتا ہے کس طرح پیش آتا ہے اور کس طرح بیعت لیتا ہے۔ ہاں اگرچہ مردوں کے متعلق اس حالت میں کوئی اعتراض شریعت کی طرف سے نہیں ہے لیکن عورتوں کے متعلق سخت اعتراض ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس طرح کے جھوٹے لوگ طالبوں کے لوٹنے والے اور دین کے دشمن ہیں خدائے واحد ان کے عملوں کے موافق ان کو مناسب سزا دے۔ آمین''۔

کچھ واقعات: اس سے پہلے کہ اختلافی مسئلوں کے متعلق لکھا جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لطیفیؒ کی زندگی کے کچھ واقعات درج کروں ان سے ان کے مسلک کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

دیوبند اور دہلی کا سفر: حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے، ابوظفر امام مظفر قیصر گھر سے چپکے سے دیوبند پڑھنے کے لئے چلے گئے ان کو گھر لانے کے لئے حضرت لطیفیؒ دیوبند تشریف لے گئے، ان کے ساتھ مولانا محمد عابد صاحب، چندی پوری، مولوی عبدالمولیٰ اکبر یا حضرت کے بڑے داماد، بھتیجے شاگرد اور مرید بھی اور بھی کچھ لوگ ساتھ تھے۔

مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ اس وقت دورۂ حدیث کے طالب علم تھے ان کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو خبر ملی کہ پورب کے بہت بڑے عالم آئے ہوئے ہیں اس وقت شیخ الحدیث مولانا محمودالحسن (شیخ الہند تھے) وہ پڑھا کر فارغ ہوئے تو برآمدہ میں ایک چارپائی پر دونوں بیٹھے اور باتیں کرنے لگے ہم لوگ کھڑے چاروں طرف ان کی باتیں سنتے رہے۔ مولانا لطیفیؒ قریب ایک ہفتہ مہمان رہے اور شیخ الہند نے مختلف مسائل کے متعلق خوشگوار ماحول میں باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اوران سے معائنہ بک میں اپنی رائے دارالعلوم دیوبند کے متعلق لکھنے کی گذارش کی گئی تو وہ مراقبہ میں بیٹھ گئے اور جب فارغ ہوئے تو معائنہ بک پر یہ لکھا ''من مراقب گشتیم و برما منکشف شد فیہا خیر'' (میں نے مراقبہ کیا اور مجھ پر ظاہر ہوا کہ اس میں بہتری ہے) یہ بات میں گھر پر بارہا سن چکا تھا اور یہی بات بعینہ مولانا اعزاز علی صاحب نے مجھے بتائی۔ یعنی گھر کی سنی ہوئی بات کی تائید دیوبند میں بھی ہوئی۔ اب کچھ لوگ من مانی طور پر یہ کہتے ہیں کہ ''مافیہا خیر'' (اس میں بہتری نہیں) لکھا تھا ایسا کہنے والے نہ تو حضرت مخدوم شرف الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بات سننے کا دعویٰ کر سکتے ہیں نہ ہی دیوبند کے ایک اہم استاذ سے یہ بات سنی ہے۔ حضرت امام صاحب کے دیوبند جانے اور حضرت لطیفیؒ کا ان کو لانے اور پھر دہلی اپنے استاذ

کے یہاں جانے کے واقعات سے کئی اہم باتوں کا صاف صاف پتہ چلتا ہے۔

(۱) امام صاحب دیوبند ہرگز تعلیم حاصل کرنے نہ جاتے اگر مولانا حفیظ الدین صاحب کے یہاں علمائے دیوبند کے خلاف کوئی تعصب ہوتا کہ وہ لوگ کافر ہیں، مرتد ہیں، اللہ اور رسول کو برا کہتے ہیں اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو امام صاحب وہاں جاتے ہی نہیں اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت لطیفیؒ کے یہاں ایسی کوئی بات نہ تھی جو علمائے دیوبند سے بدظن کرنے والی ہو۔

(۲) مولوی عبدالمولیٰ صاحب جو اس سفر میں ساتھ ان کا کہنا تھا (انہوں نے خود مجھ سے یہ بات بتائی) کہ فیاض میاں مولانا عابد صاحب کو لوگ بُرا کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے دارالعلوم لطیفی میں دو دیوبندی مولویوں کو ملازم رکھا ہے جن کے پیچھے نماز بھی جائز نہیں۔ ایسا تو رحمٰن پور خانقاہ سے تعلق رکھنے والوں کو کہنا نہیں چاہیئے اس لئے کہ حضرت لطیفیؒ کے ساتھ ہم لوگ دیوبند گئے تو قریب ایک ہفتہ وہاں رہے تو ہم سب اور حضرت لطیفیؒ پانچوں وقت نماز با جماعت دیوبند کے امام کے پیچھے پڑھتے رہے اور مولانا نے نماز نہیں دوہرائی نہ ہم لوگوں سے دوہرانے کو کہا گیا وہ ہم لوگوں کی نمازوں کا عذاب اپنے سر لے گئے میں تو ان کا داماد، بھتیجا اور شاگرد تھا باقی دوسرے بھی شاگرد تھے اگر نماز ناجائز ہوتی تو وہ خود دوہراتے اور ہم لوگوں کو بھی دوہرانے کا حکم دیتے۔ باقی امام صاحب تو زیادہ دن وہاں رہے وہیں کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے رہے تھے۔

(۳) اس سے بڑھ کر یہ بات کہ مولوی عبدالمولیٰ صاحب نے یہ بھی بتایا کہ دیوبند سے واپسی میں ہم لوگ دہلی حضرت لطیفیؒ کے استاذ مولانا نذیر حسین محدث دہلوی کے یہاں گئے وہاں مولانا نذیر حسین جو اہل حدیث عالم تھے کے پیچھے حضرت لطیفیؒ اور ہم لوگ بے اعتراض نماز پڑھتے رہے۔

پٹنہ صادق پور میں اہل حدیث امام کے پیچھے نماز: جب نماز کی بات چل رہی ہے تو ایک واقعہ اسی طرح کا پٹنہ کا ہے۔ اس واقعہ کے راوی ہمارے چھوٹے پھوپھا (یعنی

حضرت لطیفیؒ کے داماد) مولوی وصی الدین ہیں انہوں نے بتایا کہ میرے والد حاجی الطاف حسین اور حضرت لطیفیؒ دونوں سمدھی پٹنہ میتن گھاٹ بارگاہ عشق اپنے پیر کے یہاں گئے وہاں سے عصر سے پہلے دونوں سمدھی محلہ صادقپور گئے (اس محلہ میں سب اہل حدیث مسلک کے لوگ ہیں) وہاں مولانا ابراہیم خان صاحب اہل حدیث عالم حضرت لطیفیؒ کے دوست تھے ان سے ملے باتیں ہوتی رہیں اس درمیان عصر کا وقت ہو گیا تو وہیں کی مسجد میں حضرت لطیفیؒ اور الطاف حسین دونوں نے ابراہیم خاں کے پیچھے نماز پڑھی اور کوئی اعتراض نہیں کیا اس واقعہ کو حاجی الطاف حسین صاحب فخریہ بیان کرتے اور کہتے کہ مولانا کا مشرب بہت وسیع تھا اور وہ تعصب سے دور تھے وہ اہل حدیث کے پیچھے بھی نماز پڑھتے تھے۔

لڑکی کو بہشتی زیور پڑھوانا: یہ کتاب جس کے لکھنے والے مولانا اشرف علی تھانوی تھے۔ بریلوی طبقہ میں بہت بدنام ہے۔ واقعہ یہ کہ میری چھوٹی پھوپھی صغریٰ خاتون جن کی شادی مہشپور ہوئی تھی ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنے والد کے وقت مسئلہ مسائل کی کتاب پڑھی تھی؟ انہوں نے کہا پڑھی تھی میں نے پوچھا کون سی کتاب تو وہ بولیں بہشتی زیور مجھے کچھ حیرت ہوئی پھر میں نے پوچھا یہ کتاب کون لایا تھا تو انہوں نے بتایا کہ ابا لائے تھے۔ پھر میں نے پوچھا پڑھاتے کون تھے تو بتایا کہ مولوی شرف الدین صاحب گانگی کے (یہ مولانا کے خلیفہ تھے) یہ واقعہ مولانا کے مسلک کے سمجھنے میں مددگار ہوگا۔

ایک شبہہ کا حل: یہاں ایک شبہہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ایسی باتیں تھیں تو وہ امام صاحب کو دیوبند سے گھر کیوں لے آئے؟ اس کی وجہ یہ کہ مولانا کا ظاہر ہے کہ دیوبندی بریلوی کسی مسلک سے تعلق نہیں تھا۔ ان کا اپنا مسلک تھا ان کو دونوں طبقوں سے کچھ نہ کچھ اختلاف تھا (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) علمائے دیوبند سے ایک اختلاف انہوں نے اپنی کتاب مکتوبات لطیفیؒ میں درج کیا ہے جس کی تفصیل آئندہ بیان کروں گا وہ ہے امکان کذب کا مسئلہ ان کے علاوہ کچھ خانقاہی رسمیں تھیں جن کے سلسلے میں ان کا اختلاف دونوں طبقوں سے تھا اور

حضرت لطیفی اپنی زندگی میں بڑے صاحبزادے کو سجادہ نشیں بنانا چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ دیوبند میں پڑھنے سے ان سے اختلاف ہوگا اور ان کی تجویز پر عمل کرنا دشوار تھا ورنہ دیوبندی عالم سے پڑھنے کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے جو ایک اور واقعہ سے ظاہر ہوگا۔

محمد یہ ضلع پورنیہ میں مدرسہ قائم کرنا: حضرت لطیفی تعلیم (دین) کے بڑے شیدائی تھے جس کے لئے انہوں گھر چھوڑ دیا اور سخت مصیبتوں کا سامنا کرتے ہوئے پڑھتے پڑھاتے رہے پڑھ لکھ کر سہسرام میں قریب ۱۲ سال تک مدرس اول اور ناظم کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد واپس آئے تو اس سے پہلے ان کی شادی ہو چکی تھی اور ان کی ۲ لڑکیاں اور ۲ لڑکے پیدا ہو چکے تھے بڑی لڑکی کی شادی سہسرام ہی سے ہوئی تھی اور شادی کے بعد ان کا انتقال ہوگیا داماد بھی وفات پا چکے تھے۔ واپسی میں ان کے ساتھ دادی جان، ایک لڑکی خدیجہ جن کی شادی کٹھریا ہوئی تھی اور لڑکے امام مظفر اور مخدوم شرف الہدیٰ تھے والد صاحب (مخدوم صاحب) نے فرمایا میں اس وقت ۳ سال کا تھا۔ یہ باتیں توضمنی طور پر لکھی گئیں کہنا یہ کہ انہوں نے جا بجا مدرسے قائم کئے پہلے کٹھریا میں مدرسہ قائم کیا پھر عماد پور قریب بارسوئی میں اور محمد یہ اسٹیٹ میں مدرسہ اساقتہ رحمۃ کے نام سے قائم کرایا یہ ۱۳۱۰ء بنگلہ کی بات ہے وہاں کے رئیس سے کافی جائیداد مدرسہ میں وقف کرانے کے بعد خود ۳ یا ۴ ماہ تک پڑھاتے رہے اس کے بعد وہ گھر آنے کو مدرسہ چھوڑ کر تیار ہوئے تو متولی وغیرہ نے اصرار کیا کہ وہ نہ جائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے صرف مدرسہ کو جاری کرنے کے خیال سے کام شروع کرا دیا مجھے اپنا گھر سنبھالنا ہے اور اپنے یہاں مدرسہ قائم کرنا ہے تو ان لوگوں نے کہا ہم کو اچھا مدرس لا کر دیجئے، تو انہوں نے دلال گنج (ضلع پورنیہ) کے مدرسہ سے مولوی اصحاب الدین فاضل دیوبند کو اپنی جگہ بحال کر آئے اور اپنے گھر پر مدرسہ قائم کیا) ابھی ۱۴۱۰ء بنگلہ ہے یہ مدرسہ سو سال کا ہو گیا۔ ایک بات اور اس ضمن میں یہ کہ محمد یہ کے مدرسہ سے جب مولوی اصحاب الدین چلے گئے تو پھر حضرت لطیفی نے ایک اور فاضل دیوبند کو ان کی جگہ رکھوایا۔ یہ باتیں مجھے مولوی شہاب الدین مرحوم بن مولانا

محمد عابدؒ اور مولوی منور حسین صاحب ...... التاباڑی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم لطیفی کٹیہار سے معلوم ہوئیں یہ حضرات محمدیہ کے مدرسہ میں پڑھ چکے تھے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کے انتقال سے حضرت لطیفیؒ کو صدمہ: حضرت لطیفی کو جب مولانا رشید احمد گنگوہی کے انتقال کی خبر ملی تو ان کو سخت صدمہ ہوا اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے حاضرین نے پوچھا کہ حضرت آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں تو انہوں نے کہا کہ ہم لوگ چاہے کچھ ہوں لیکن ان کی شخصیت بہت بڑی تھی ان کا مقام بہت بلند تھا (جس زمانہ میں حضرت لطیفی دلی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس زمانہ میں ہندوستان میں علم حدیث کے دو ہی عالم سب سے بڑے مانے جاتے تھے ایک مولانا نذیر حسین دوسرے مولانا رشید احمد گنگوہ سہارنپور سے قریب ۷۰-۸۰ کلومیٹر دور دیہات میں واقع ہے راستہ بھی کچا ہے۔ میں ۱۹۶۳ء میں اپنے دوست خواجہ حسن ثانی نظامی کے ساتھ دلی درگاہ نظام الدین سے گیا تھا۔ اوبڑ کھابڑ سڑک دھول اڑتی ہوئی اس لئے ہمارے اطراف کے لوگوں کا وہاں جانا خاص کر ایک صدی سے زیادہ پہلے سخت دشوار تھا ورنہ حضرت لطیفی حدیث پڑھنے وہیں جاتے اس لئے کہ مولانا گنگوہی حنفی عالم تھے اور حضرت لطیفی بھی حنفی۔

مولانا بدرالدین فاضل دیوبند سے تعلقات: مولانا بدرالدین صاحب قاسمی شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگرد تھے اور حضرت شاہ بدرالدین پھلواروی کے مرید شاعری کرتے تھے اور بدری تخلص کرتے تھے بڑے عالم تھے شروع میں وہ مولانا حفیظ الدین کے شاگرد تھے یہ اعظم نگر کے راہنے والے تھے جو کٹھریا سے ۲ میل دکھن واقع ہے۔ تاحیات حضرت لطیفی کے تعلقات ان سے بہت اچھے رہے۔ جب حضرت دکھنی علاقہ کے سفر پر تشریف لے جاتے تو پروگرام ایسا بنتا کہ اعظم نگر میں رات گذار کر مولانا بدرالدین کو ساتھ سفر میں لے جاتے اور سفر ختم ہونے پر واپسی میں اعظم نگر میں رات گذار کر گھر واپس آتے۔ مولانا بدرالدین صاحب نے ایک واقعہ سنایا کہ جب حضرت لطیفی کو معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رسول اللہ ﷺ کو

''عالم الغیب'' کہتے ہیں تو حضرت لطیفیؒ نے ہنستے ہوئے کہا وہ رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب کہتے ہیں میں تو خدا کو بھی عالم الغیب نہیں مانتا۔ مفتی حضرات حضرت لطیفیؒ کے اس قول کو کلمہ کفر مانیں گے، میں آگے اس کا مطلب سمجھاؤں گا۔

ایک بریلوی مولوی سوداگر کی بات: میرے والد محترم حضرت مولانا مخدوم شرف الہدیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں بارہا یہ واقعہ سنایا کہ ایک سوداگر بریلی کے جو مولوی تھے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب کے شاگرد اور مرید بھی بزنس کے سلسلہ میں سال میں ایک دفعہ اس علاقہ میں بھی آتے تھے۔ وہ حضرت لطیفیؒ سے بعض مشکل مسئلوں کے بارے میں سوال کرتے تھے حضرت فرماتے کہ مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں اپنے مولانا سے پوچھئے تو یہ بہت عاجزانہ لہجہ میں کہتے کہ آپ کی بات ہی اور ہے حضور فرمائیے: اس کے بعد حضرت لطیفیؒ مسئلہ پر گہرائی سے بحث کرتے ہوئے ان کو سمجھاتے تو وہ بے تحاشہ خوش ہو کر اچھلتے اور اپنے زانو پر ہاتھ مار کر کہتے، واللہ تحقیق اسے کہتے ہیں! واللہ تحقیق اسے کہتے ہیں۔ اس واقعہ سے حضرت لطیفیؒ کا اعلیٰ علمی مقام معلوم ہوتا ہے اور یہ بات کہنے والے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے شاگرد اور مرید بھی تھے شاید وہ ایسے مسائل کی تحقیق حضرت لطیفیؒ سے کرتے تھے جن کے متعلق ان کی تشنگی اپنے پیر کے یہاں سے دور نہیں ہو سکی تھی اس لئے ان کا یہ کہنا کہ '' آپ کی بات اور ہی ہے'' اور بیان کرنے پر یہ کہنا کہ '' واللہ تحقیق اسے کہتے ہیں واللہ تحقیق اسے کہتے ہیں'' اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لطیفیؒ کا مقام خانصاحب سے اونچا ہے اور اس بات کی گواہی حضرت لطیفیؒ کا کوئی مرید نہیں دے رہا ہے بلکہ وہ دے رہا ہے جو ان پڑھ نہیں مولوی ہے اور خانصاحب کا مرید بھی اور شاگرد بھی اس لئے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو خانصاحب کو حضرت لطیفیؒ سے بڑا عالم مانتے ہیں۔

مولانا غلام مصطفیٰ فخر سہسرامی فاضل دیوبند حضرت لطیفیؒ کے مرید اور خلیفہ: ان کے واقعات سے بھی حضرت لطیفیؒ کے مسلک کے ساتھ ان کا اونچا درجہ علم و معرفت کے

میدان میں معلوم ہوگا۔ ان کی پیدائش سہسرام میں ۱۲۸۵ھ میں ہوئی اور وفات ۱۳۶۹ھ (مطابق ۳ مارچ ۱۹۵۰ء) انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں حدیث کی آخری (درجہ فاضل تک) تعلیم پائی ان کے استاد مولانا محمود الحسن شیخ الہند، شیخ الحدیث تھے۔ فخر سہسرامی بہت قابل عالم دین، اور اچھے شاعر، مقرر اور حکیم بھی تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ عرب سے فارس کے مقام ہمدان میں آئے پھر مغل بادشاہوں کے زمانے میں دہلی آگئے پھر یوپی آئے بعدہ ضلع آرا، سہسرام میں بس گئے۔ فخر صاحب کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ ایشیا کی سب سے بڑی دینی یونیورسٹی کے فاضل، واعظ خوش بیاں، ایک درجن کتابوں کے مصنف، شاعر وہ بھی اچھے شاعر اور حکیم ایسی بڑی شخصیت کا حضرت لطیفیؔ سے مرید ہونا ایک بڑی بات ہے اس سے بھی حضرت لطیفیؔ کا بلند ترین مقام کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے حالات زندگی سے متعلق ایک کتاب گیا میں مجھے ریاض گیاوی نے دی جو فخر کے نواسے ہیں یہ ۸۵-۱۰-۷ کی بات ہے جبکہ میں حضرت لطیفیؔ کی سوانح عمری (جس کے مصنف مولانا غلام مصطفےٰ فخر سہسرامی تھے) تلاش میں گیا تھا جو چھپ نہیں سکتی تھی لیکن ریاض گیاوی کوشش کے باوجود وہ کتاب حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے کچھ پتہ بھی نہیں چلا۔ انہوں نے ایک کتاب مجھے دی کتاب کا نام ''یادگار فخر'' ہے اس میں تلاش بسیار کے بعد ان کا جو کلام مل سکا اس کو شائع کیا گیا ہے اسی کے ساتھ ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ان کی مختصر سوانح عمری بھی ہے۔ اس کا ایک حصہ نقل کر رہا ہوں:

> ''کتب حدیث اور تکمیل علوم کے خیال نے حضرت مولانا محمود الحسنؒ شیخ الہند کی خدمت میں پہنچایا۔ بحمداللہ دیوبند کے دارالعلوم میں محدث اعظم حضرت شیخ الہندؒ کی کشف برداری نے مجھ کو سرفرازی بخشی۔ وہاں سے سند تکمیل حاصل کرنے کے بعد، مظفر پور، پورنیہ اور دربھنگہ وغیرہ مدارس اسلامیہ میں مدرس اول رہا۔ غرض کہ زندگی کے دور نے دنیا کے مختلف شعبوں کی سیر کرائی۔ کبھی فن طبابت سے کام لیتا رہا اور کبھی مدرسی کرتا

رہا۔ حضرت سلطان العارفین مولانا سید شاہ حفیظ الدین لطیفیؔ ابوالعلائی

کی نظر کیمیا اثر نے مجھ کو، ہر طرف سے بے نیاز بنا رکھا ہے اور اب ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست　　ایک ڈوری میرے دوست نے
　　　　　　　　　　　　　　مری گردن میں ڈال دی ہے

می برد ہمہ جا کہ خاطر خواہ اوست　　اور جہاں جی چاہتا ہے مجھے لئے
　　　　　　　　　　　　　　پھرتا ہے

بار اجازت (خلافت) سر پر ڈال دیا گیا اور حکم ہوا کہ تم اپنی زندگی خدمت خلق ہی میں بسر کرو اس میں تم کو بہت کچھ ملے گا"۔

اس بیان سے صاف معلوم ہو گیا کہ شیخ الہند کا شاگرد ہونا فاضل دیوبند ہونا اور حضرت لطیفیؔ کا خلیفہ ہونا کوئی...... بے جوڑ یا متضاد باتیں نہیں تھیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اتنا بلند پایہ عالم حضرت لطیفیؔ کو سلطان العارفین (عارفوں کے بادشاہ) کہہ رہا ہے اس سے حضرت لطیفیؔ کا اونچا مقام بھی معلوم ہوتا ہے۔

کوئی کوتاہ نظر تہی دماغ متعصب شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ مولانا فخرؔ صاحب دیوبندی مسلک سے توبہ کر کے حضرت لطیفیؔ کے مرید اور خلیفہ ہوئے تھے تو مولانا فخرؔ سہرامی کے خود لکھے ہوئے بیان سے یہ دعویٰ غلط ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ ان کا یہ لکھنا خلافت حاصل کرنے کے بعد ہوا ہے اس میں وہ جہاں اپنے استاد کو محدث اعظم حضرت شیخ لکھ کر ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کو اپنے لئے باعث عزت لکھا ہے وہیں حضرت لطیفیؔ کو حضرت سلطان العارفین مولانا سید شاہ حفیظ الدین لطیفیؔ کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور ایک شعر بھی لکھا ہے ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت فخرؔ سہرامی بہ یک وقت اپنے استاذ اور اپنے پیر سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے نہ صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ ان کی ہدایت پر چل کر اپنی زندگی بسر کی۔ مولانا غلام مصطفےٰ فخرؔ سہرام میرے سامنے ۲ دفعہ رحمٰن پور آئے۔

آخری دفعہ وہ اپنے ساتھ اپنی لکھی ہوئی کتاب حضرت لطیفیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری (Bio-graphy) لائے تھے اور انہوں نے مولانا محمد عابد صاحب چندی پوری خلیفہ حضرت لطیفیؒ سے التماس کیا کہ آپ یہ کتاب چھاپ دیں لیکن اس وقت مولانا محمد عابد صاحب دارالعلوم لطیفیؒ قائم کر کے جو ابھی ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا اس کو صحیح معنوں میں دارالعلوم لطیفیؒ (جو حضرت لطیفیؒ کی یادگار کے طور پر مولانا عابد نے قائم کیا تھا) بنانے کے لئے بے حد مصروف تھے رات دن دیہاتوں کے دورہ میں لگے تھے انہوں نے کہا میں ابھی دارالعلوم لطیفیؒ کے سلسلہ میں بے حد مصروف ہوں آپ ابھی اس کو رکھیں ذرا آرام لینے کا موقع ملے تو یہ کام ہو سکے گا۔ لیکن افسوس کی بات یہ کہ فخر صاحب کا انتقال مارچ ۱۹۵۰ء میں ہوگیا انا للّٰہ و انا الیہ راجعون اور یہ کتاب غائب ہوگئی اور میں نے گیا جا کر تلاش کی لیکن یہ کتاب نہیں مل سکی۔

مولانا سہول صاحب مرحوم بھاگلپوری سے تعلق: یہ پورینی (ضلع بھاگلپور کے رہنے والے تھے) بہت بڑے عالم تھے یہ اس جماعت کے فرد تھے جو بھاگلپور سے ریاست ٹونک پیدل گئی تھی اور سال بھر میں یہ لوگ وہاں پہنچے تھے اس زمانہ میں مولانا حکیم برکات احمد صاحب منطق اور فلسفہ پڑھانے میں پورے ملک میں مشہور تھے اور لوگوں کو فلسفہ اور منطق کی تعلیم سے بے حد دلچسپی تھی۔ دور دور سے لوگ ان سے پڑھنے جاتے ذریعہ سفر نہ ہونے کی وجہ سے پیدل ہی لوگ وہاں جاتے تھے اسی جماعت میں مولانا اقبال صاحب بھی تھے جو میرے زمانہ میں مدرسہ شمس الہدیٰ میں منطق اور فلسفہ کے استاذ تھے مجھے فخر ہے کہ میں نے منطق کی کتاب ''شرح تہذیب'' ان سے پڑھی اور اس قدر دل لگا کر کہ ساتھی کہتے کہ یہ تو تمہارا خاص مضمون بن گیا ہے۔

مولانا سہول صاحب کی آخری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی اور وہیں سے فاضل حدیث کی ڈگری حاصل کی۔ اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے وہ دارالعلوم دیوبند میں مفتی اعظم کے عہدہ پر رہے اور شاہجہاں پور کے مدرسہ میں مدرس اول رہے ان کے زمانہ میں ایک صاحب جو فاضل

دیوبند تھے اور اس مدرسہ میں منشی کے عہدہ پر کام کرتے تھے اور یہی حضرت وہاں سے دہلی چلے گئے تو کچھ دنوں کے بعد اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کی بناپر حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ مفتی اعظم ہند ہو گئے یہ واقعہ مولانا سہول نے اپنے گھر پر مجھے ۱۹۴۵ء میں مزاحیہ انداز میں کہی کہ بہار تو قابل لوگوں کا مقبرہ ہے دیکھو منشی جی دہلی گئے تو کیا سے کیا بن گئے اور میں وہی سہول کا سہول رہا۔

حضرت لطیفیؒ مولانا سہول کے مدرسہ میں مشکوٰۃ تبرکاً شروع کرانے گئے:

یہ ایک تاریخی اور اہم واقعہ ہے۔ مولانا سہول نے اپنے یہاں ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور جب اس مدرسہ میں ترقی ہوئی اور حدیث کی کتاب مشکوٰۃ شریف (یہ کتاب دورۂ حدیث سے ایک سال پہلے پڑھائی جاتی ہے) شروع کرانے کا موقع آیا تو دستور کے مطابق کسی بڑے اور اہم عالم سے تبرکاً شروع کرانے کے لئے حضرت لطیفیؒ کو بلا کر یہ کتاب ان سے شروع کرائی۔ یہ بات بڑی اہم اس لئے کہ مولانا سہول صاحب فاضل دیوبند اور ایک بڑے پایہ کے عالم تھے اور حضرت لطیفیؒ دیوبند کے فاضل نہیں تھے۔ اس لئے ان سے کتاب شروع کرانا ایک اہم واقعہ ہے اس سے حضرت لطیفیؒ کی اعلیٰ ترین قابلیت کا پتہ چلتا ہے ساتھ ہی ان کا مولانا سہول سے شدید دلی تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے۔

مولانا سہول کے مدرسہ میں امتحان لینے کے لئے جاتے رہنا: صرف یہ ایک واقعہ نہیں کہ حضرت لطیفیؒ نے مشکوٰۃ شروع کرا دی اور بس ہو گیا بلکہ حضرت لطیفیؒ مولانا سہول کے مدرسہ میں ایک زمانہ تک ان کی دعوت پر ہر سال سالانہ امتحان لینے تشریف لے جاتے تھے یہ بات مجھے دیوبند میں مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ دارالعلوم دیوبند نے بتائی کہ: میں سات برس تک پورینی کے مدرسہ میں مدرس رہا، وہاں سالانہ امتحان لینے حضرت مولانا لطیفیؒ آتے تھے اور وہاں میرے ہی کمرہ میں رہا کرتے تھے ان سے بہت سی باتیں ہوتی تھیں ہم لوگوں کے خیالات میں کوئی خاص فرق نہیں تھا بس سماع بالمزامیر (باجوں کے ساتھ جو قوالی سننا) اور بعض خانقاہی رسموں میں اور حضرت لطیفیؒ اس پر اصرار نہیں کرتے تھے بلکہ

معذرت خواہانہ انداز میں کہتے کیا کریں پیر کی وجہ سے لت لگ گئی۔

ان واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ علمائے دیوبند سے ان کے تعلقات کتنے شدید اور مخلصانہ تھے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سہول صاحب کے متعلق کچھ اور باتیں لکھ دوں کچھ تو پہلے لکھ آیا مولانا سہول صاحب دیوبند اور شاہجہاں پور کے بعد مدرسہ شمس الہدیٰ میں بحثیت پرنسپل بحال رہے اور دسمبر ۱۹۳۴ء میں ریٹائرڈ ہوئے اور جنوری ۱۹۳۵ء میں مدرسہ شمس الہدیٰ میں داخل ہوا۔ پھر وہ آسام کے کسی بڑے مدرسہ میں شیخ الحدیث رہے اور ۱۹۴۵ء میں ان دنوں گھر یا فارغ زندگی گذار رہے تھے۔

مولانا سہول سے حضرت لطیفیؔ کے تعلقات کیسے: افسوس کہ پورنی میں مولانا سہول صاحب سے یہ بات میں نے دریافت نہیں کی کبھی سوچا کہ مولانا سہول شاہجہاں پور میں مدرس اول تھے اور حضرت لطیفیؔ کے دو مرید اکبر علی خاں، منصور عالی خاں شاہجہاپور کے تھے شاید شاہجہاں پور کے سفر میں دونوں کی ملاقات ہوئی ہو، کبھی سوچا کہ مولانا سہول شاگرد ہوں مگر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی اس لئے کہ مولانا سہول کی تعلیم ٹونک میں ہوئی اور آخری تعلیم دیوبند میں ہوئی۔

مگر ایک واقعہ: وہ یہ کہ ۱۹۴۵ء کی بات ہے کہ میں جمگاؤں گیا تھا وہاں میری سوتیلی بہن حسنیٰ مرحومہ کی خالہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے بتایا کہ تمہارے دادا مولانا حفیظ الدین صاحب بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے اور کچھ دنوں تک ہمارے یہاں پڑھاتے رہے تھے بچوں سے بہت پیار کرتے، میں چھوٹی سی تھی ہم کو گود میں بٹھاتے اور کھیلتے تھے۔ یہ بات ہمارے اطراف میں میرے سوا کسی اور کو معلوم نہیں میں جمگاؤں دارالعلوم دیوبند جاتے ہوئے راہ میں اترا تھا قریب ٦ دن وہاں رہ کر دیوبند چلا گیا ایک مدت کے بعد گھر آیا اور وہ بات بھول گیا کسی سے تذکرہ نہیں کیا۔ اس طرح اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت

لطیفیؒ کا تعلق مولانا سہول سے ہوا ہوگا۔اس لئے کہ جمگانواں سے بالکل قریب پورینی ہے دونوں گاؤں کے سرے اس قدر ایک دوسرے سے قریب ہیں کہ صرف ۲-۳ پلاٹ درمیان میں حائل ہیں۔

حضرت مخدوم شرف الہدیٰؒ: نامناسب نہ ہوگا بلکہ ضروری ہے کہ حضرت مخدوم شرف الہدیٰؒ جو حضرت لطیفیؒ کے منجھلے صاحبزادہ تھے اور حضرت امام مظفرؒ جن کا انتقال حضرت لطیفیؒ کے انتقال کے ڈھائی ماہ بعد ہی ہوگیا تو حضرت مخدوم صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ان کی تعلیم حضرت لطیفیؒ کے انتقال سے پہلے درجہ عالم تک ہوچکی تھی صرف دورۂ حدیث باقی تھا اور یہ ۶۱ سال تک سجادہ نشین رہے اور ۱۹۷۴ء میں انتقال کیا اس لئے صاحبزادوں میں امام صاحب کے بعد یہی حضرت لطیفیؒ کے مسلک سے واقف تھے۔انہوں نے کچھ اہم باتیں مجھے بتائی ہیں ان سے حضرت لطیفیؒ کے مسلک کا پتہ لگتا ہے۔جب میں پڑھنے کے لئے پٹنہ ۱۹۳۵ء میں جا رہا تھا تو بتایا کہ تمہارے دادا نے بڑی مشقتیں برداشت کر کے بڑی محنت سے تعلیم حاصل کی تھی تم بھی محنت سے پڑھو گے۔ایک زمانہ میں تمہارے دادا دہلی میں تھے تو رات کو کھانے کے لئے ان کو ۲ مکئی کے بھٹے ملتے تھے وہی کھا کر پانی پی لیتے اور رات کو دیر تک پڑھنے کے لئے یہ کرتے تھے کہ چھت کی کڑی سے ایک ڈوری لٹکا لیتے اور اپنی زلف سے باندھ کر پڑھنے بیٹھتے اور جب نیند آنے لگتی اور سر نیچا ہوتا تو بالوں میں جھٹکا لگتا درد ہوتا تو چونک کر جاگ جاتے۔گھر سے اس طرح غائب ہوئے تھے کہ گھر والوں کو خبر تک نہ تھی کوئی یار مددگار نہ تھا غریبی کی زندگی بسر کرتے اور روکھا سوکھا کھا کر سخت محنت سے پڑھتے تھے۔یہ بات تو عبرت کے لئے لکھ دی تا کہ لڑکے اس سے نصیحت حاصل کریں۔اہم بات والد صاحب نے یہ بتائی کہ تمہارے دادا مولانا نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے اور ان ہی سے حدیث کی آخری کتابیں دورۂ حدیث کی پڑھیں خود حنفی گھرانے کے تھے اس لئے ان کا مسلک بہت وسیع تھا ان کے اندر تعصب نہیں تھا۔

مولانا ظفیر الدین صاحب شاگرد مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کی تائید: ایک واقعہ جو میری ڈائری میں درج ہے وہ نقل کر رہا ہوں۔بات ۷ امئی ۱۹۴۳ء کی ہے

مولانا ظفیر الدین صاحب ہمارے گھر سے پچھم گاؤں مولنا پور کے جلسہ میں شرکت کے لئے آئے تھے اس سے پہلے بھی ہمارے یہاں آچکے تھے اور میں ہی ان کی میزبانی کا ذمہ دار تھا اور جب میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ پڑھنے کے لئے گیا تھا تو میرے پھوپھا جو خود اس مدرسہ کے فاضل تھے مجھے داخل کرانے لے گئے تھے تو میرا قیام محلہ شاہ گنج میں ہوا جہاں مولانا ظفیر الدین کا ذاتی مکان تھا۔ آنے جانے میں ان کا گھر راہ میں پڑتا تھا ان سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں ان سے میرے اچھے تعلقات تھے۔ مولوی وصی الدین صاحب ان کے شاگرد تھے اور مولانا سہول کے بھی شاگرد تھے جو کہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل تھے اور سب سے اونچے درجے کی کتابیں پڑھاتے اور مولانا ظفر الدین اسسٹنٹ ٹیچر تھے۔ غرض یہ کہ مولانا ظفر الدین صاحب سولنا پورے سے رحمٰن پور آئے اور والد صاحب سے ملے ان دنوں میں دیوبند میں دو سال رہ کر کچھ دنوں کے لئے گھر پر رہ گیا تھا اور مدرسہ لطیفیہ کا ناظم تھا۔ والد صاحب اور مجھ سے وہ باتیں کرتے رہے ان کو معلوم تھا کہ میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھ رہا ہوں تو اس سلسلہ میں بھی بات ہوئی اور جو باتیں ہوئیں وہ میری ڈائری میں درج ہیں وہ یہ ہیں:

''۷ امئی ۱۹۴۳ء آج مولوی ظفر الدین مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ آئے مجھ سے کہا کہ تصنیف، افتاء، وعظ میں سے کسی چیز میں مہارت حاصل کیجئے۔ اثناء گفتگو میں کہا کہ جو شخص ہر خیال کے لوگوں سے تعلیم حاصل کرتا ہے وہ تعصب سے بلند ہو کر تحقیق حق کرتا ہے اور اس کی رائے صحیح ہوتی ہے اور یہ کہ میں مولانا اشرف علی کے شاگرد کا شاگرد ہوں اس لئے مجھے اور لوگوں کی بہ نسبت ان کے خیالات زیادہ معلوم ہیں۔ والد (حضرت مخدوم صاحبؒ) نے کہا کہ میرے والد (مولانا لطیفی) مولانا نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد تھے جو پکے غیر مقلد تھے اس لئے ان میں تعصب نہیں تھا''۔

حضرت لطیفیؒ کا دیوبندیوں کو کفر کا فتویٰ دینے سے انکار: والد صاحب نے اپنی زندگی میں بارہا یہ واقعہ بتایا کہ، مولانا احمد رضا خانصاحب نے علمائے دیوبند کے کفر کا فتویٰ چھاپنے سے پہلے مختلف علماء سے اس فتویٰ پر دستخط کرانے کے لئے کاغذ بھیجا، مولانا لطیفیؒ چونکہ ملک کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے اس لئے یہ فتویٰ کا مسودہ ان کے پاس بھی آیا انہوں نے انکار کردیا اور کہا کہ میں ان لوگوں کو کافر نہیں کہتا اور پھلواری خانقاہ والوں نے بھی کفر کا فتویٰ دینے سے انکار کیا۔

کٹر بریلوی سے بچنے کی نصیحت: دسمبر ۱۹۳۷ء کی بات ہے، میرے والد صاحب مجھے الٰہ آباد مدرسہ سبحانیہ میں داخل کرانے لے گئے وہاں مولوی عبدالرحمٰن صاحب کٹکی مدرس تھے۔ وہ سخت قسم کے بریلوی تھے، یہ سن کر والد صاحب فکر مند ہوئے اور اِدھر اُدھر جا کر مختلف مدرسین کے متعلق پتہ لگایا ان کو معلوم ہوا کہ مولوی حکیم نصرت صاحب معتدل خیال کے مدرس ہیں وہ دیوبند والوں کو کافر نہیں کہتے ہیں تو والد صاحب نے مجھے نصیحت کی کہ تم مولوی نصرت صاحب سے تعلق رکھو گے۔ مولانا حفیظ الدین نے علمائے دیوبند کو کفر کا فتویٰ دینے سے انکار کیا اور پھلواری شریف اور خیرآباد کے علماء نے بھی انکار کیا تھا میرے والد (حضرت لطیفیؒ) کا مسلک صلح کل تھا تم اس کا خیال رکھو گے۔

سب سے بڑی بات یہ کہ والد صاحب پوری زندگی میں دیوبندی بریلوی کے جھگڑے میں کبھی نہیں پڑے۔ ان کے سامنے کسی نے اس مسئلہ کو پیش کرنے کی ہمت ہی نہیں کی اور نہ ہی ان کو اس جھگڑے سے کوئی دل چسپی تھی، ایک واقعہ بیان کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا وہ یہ کہ مولوی عبدالواحد صاحب پنچگاچھی ضلع کٹیہار جب دیوبند سے فارغ التحصیل ہوکر آئے تو گاؤں کے لوگ جوان کی امامت میں عید کی نماز پڑھتے تھے اب کچھ لوگوں کے بھڑکانے پر شک میں مبتلا ہوگئے اور وہاں سے چند لوگوں کا ایک وفد والد صاحب (حضرت مخدوم صاحبؒ) کے پاس آیا اور اسی سلسلہ میں بات کی انہوں نے کہا کہ وہ مسلمان ہیں عالم دین ہیں پھر ان کے پیچھے

نماز کیوں نہیں پڑھیں گے، ظاہر ہے کہ والد صاحب کا یہ کہنا اپنے والد (حضرت لطیفیؒ) کے مسلک کے عین مطابق تھا۔ حضرت مخدوم صاحبؒ کی عمر حضرت لطیفیؒ کے انتقال کے وقت قریب ۲۳ سال تھی ان کی ۲ شادیاں یکے بعد دیگر ہو چکی تھیں اور ۳، بچے پیدا ہو کر انتقال کر چکے تھے اور ان کی تعلیم دورۂ حدیث سے ایک سال پہلے تک کی ہو چکی تھی۔

مولانا محمد عابد چندی پوری کا حال: حضرت لطیفیؒ کا تذکرہ ہو اور مولانا عابد کا ذکر نہ ہو تو یہ کہانی ادھوری رہ جائے گی۔ اس لئے کہ ان کے تمام خلیفوں اور شاگردوں میں اولیت ان ہی کو حاصل ہے، اس لئے کہ ان کا کوئی خلیفہ ایسا نہیں (سوائے حضرت امام مظفرؒ کے) جو شروع سے اخیر تک یعنی دورۂ حدیث تک ان کا شاگرد رہا ہو۔ اور پھر سہسرام سے کنہر یا تک اور پھر وہاں سے رحمٰن پور تک حضرت لطیفیؒ کے ساتھ رہا ہو اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان کے مدرسہ میں مدرس رہا ہو۔ یہاں تک کہ حضرت مخدوم صاحب کو پڑھایا بھی ہو یہی نہیں بلکہ وہ بے انتہا خلوص اور فرماں برداری کے ساتھ حضرت لطیفیؒ کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر چکے تھے۔ اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے وہ یہ کہ اُس زمانہ میں سپٹک لیٹرین نہیں ہوتے تھے۔ لیٹرین پختہ بنا ہوا تھا اور نیچے ایک بڑا سا کنٹر رکھ دیا جاتا تھا، ہفتہ میں ایک بار مہتر آتا صاف کر جاتا تھا۔ ایک دفعہ مہتر کے آنے میں کسی وجہ سے دیر ہوئی اور گندگی بہت ہوگئی تو رات کو حضرت لطیفیؒ نے کہا عابد میاں صبح کسی کو بھیج کر مہتر کو بلوا لو گندگی بہت ہوگئی ہے۔ صبح سویرے حضرت لطیفیؒ لیٹرین گئے تو اس کو صاف پایا فجر کی نماز کے بعد سب سے پوچھنا شروع کیا تو لوگوں نے کہا پتہ نہیں پھر مولانا عابد سے پوچھا کیا تم نے صاف کیا ہے تو وہ کچھ نہیں بولے چپ چاپ سر جھکائے کھڑے رہے مولانا لطیفیؒ سمجھ گئے اور کہا کہ ہم نے تم کو یہ تو نہیں کہا تھا ایک اور بات یہ کہ میری دادی (اہلیہ حضرت لطیفیؒ) نے بتایا کہ حضرت لطیفیؒ نے ہم سے کہا تھا کہ ہم نے عابد پر بہت محنت کی ہے وہ میرا دَر کبھی نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ دادی جان کی زندگی میں مولانا عابد صاحب ایک گھڑا شہد اور ایک گھڑا خالص گھی دادی کو بھیجتے تھے اور عرس میں برابر آتے اور ان

کی خدمت میں نذر بھیجتے تھے اور جب بھی رحمٰن پور سے گذرتے تو اتر کر فاتحہ پڑھتے اور نذر بھیجتے تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے پیر کے گھرانے کے ہر فرد کا بڑا احترام کرتے تھے ایک دفعہ انہوں نے ایک خط میں میرا نام یوں لکھا ''مولانا شاہ فیاض عالم صاحب قبلہ'' جبکہ وہ میرے والدؒ کے استاذ تھے۔ دارالعلوم لطیفی کے قیام کے بعد افتتاح کے لئے انہوں نے اپنے دونوں پیر بھائیوں (حضرت مخدوم صاحب اور حضرت خواجہ صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ) کو بلایا۔ دونوں نے دوسرے مقامات میں جانے کا وعدہ کرلیا تھا تو مجھے نمائندہ بنا کر بھیجا ہیں ان دنوں مدرسہ الٰہیات سے فارغ ہوکر گھر میں بیٹھا تھا میں کٹیہار گیا۔

صبح میں حکیم عبدالغفار کے یہاں سے ناشتہ کرکے فقیر تکیہ مسجد گیا وہاں لوگ میرا انتظار کررہے تھے ممبر کے پاس مولانا محمد عابد صاحب اور ان کے پیر بھائی مولانا شرف الدین صاحب حفیظی حضرت لطیفیؔ کے خلیفہ بیٹھے تھے میں چپ چاپ مسجد کے اتر دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا اور ایک کونے میں بیٹھ گیا کسی نے مجھے دیکھ لیا اور کہا شاہ فیاض عالم آگئے یہ سنتے ہی دونوں حضرات کھڑے ہوگئے اور مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں نے کہا میں یہیں ٹھیک ہوں لیکن مولانا حضرات نے اصرار کرکے مجھ بلایا اور مجھے دونوں کے درمیان بیٹھنا پڑا میں جب بیٹھا تو وہ حضرات بھی بیٹھ گئے۔ میرا حال یہ تھا کہ میری داڑھی نہیں نکلی تھی مونچھیں ہلکی ہلکی تھیں اجنبی لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کمسن لڑکا کون ہے اور اس کی اتنی عزت افزائی کیوں ہورہی ہے لیکن جاننے والے جانتے تھے کہ یہ حضرت مولانا حفیظ الدین کا پوتا ہے۔

اس کے بعد افتتاح کی کارروائی شروع ہوئی۔ تلاوت قرآن کے بعد چند لڑکے ''میزان'' (عربی قواعد کی پہلی کتاب) شروع کرنے کے لئے آئے۔ مولانا محمد عابد صاحبؒ نے مجھ سے کہا کہ آپ شروع کرائیے میں نے کہا آپ شروع کرائیے۔ انہوں نے پھر مجھ سے کہا میں نے کہا کہ آپ میرے والد کے استاذ اور حضرت لطیفیؔ کے خلیفہ اور دارالعلوم لطیفی کے بانی ہیں آپ کے سامنے میں شروع کراؤں یہ نہیں ہوسکتا یہ تاریخی موقع ہے اس لئے آپ ہی کو

افتتاح کرنا چاہیئے غرض ان کے اصرار کے ساتھ میرا انکار بھی شدید ہوا تب مولانا محمد عابد صاحب مشرقی بانی دارالعلوم لطیفی نے دارالعلوم کا افتتاح کیا۔میزان شروع کرانے کے بعد بخاری شریف کی باری آئی اور وہ بھی شروع کرائی گئی اور دعاء پر افتتاحی تقریب ختم ہوئی۔اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد عابد صاحب اپنے استاذ، پیرومرشد اور مربی حضرت لطیفی سے کس قدر دلی تعلق رکھتے تھے اور ان کی اولاد در اولاد کا بھی کتنا زیادہ احترام کرتے تھے ان ہی باتوں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے پیرومرشد حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفی کے مسلک کو کتنی مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں گے ساتھ ہی وہ حضرت لطیفی کے مسلک صلح کل کے حامی تھی جس کا ذکر مضمون کے شروع میں دیوان لطیفی کے حوالہ سے لکھ چکا ہوں اور دوسری کتابوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ اختلاف ومخالفت کو عذاب تصور کرتے تھے اور دوسرے واقعات وحالات سے یہ باتیں بتا چکا ہوں۔یہی وجہ ہے حضرت لطیفی کے شروع سے اخیر تک شاگرد رہے ان کی تربیت یافتہ سہسرام سے کنہر یا اور پھر اخیر میں رحمٰن پور تک ان کے ساتھ رہے مولانا محمد عابد صاحب نے دارالعلوم کے قیام کے وقت ایک بنیادی اصول اور پالیسی طے کی کہ دیوبندی، بریلوی سے بلند ہو کر خالص دینی تعلیم مدرسہ میں دی جائے گی جو ایک فرقہ سے متعصبانہ تعلق رکھتے تھے انہوں نے اس پالیسی پر اعتراض کیا لیکن مولانا محمد عابد صاحب اس موقف سے پیچھے نہیں ہٹے اور کیوں ہٹتے وہ تو اپنے پیرومرشد کے اصولوں پر دارالعلوم قائم کر رہے تھے جو ان کے تخلص کے ساتھ ان کی یادگار بھی ہے کیونکہ حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفی نہ تو دیوبند سے فارغ تھے اور بریلوی مدرسہ کا تو اس وقت وجود بھی نہیں تھا حضرت لطیفی ۱۸۲۰ء میں پیدا ہوئے اور احمد رضا خانصاحب ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے یعنی یہ حضرت لطیفیؒ سے ۳۶ برس چھوٹے تھے۔خانصاحب کسی مدرسہ سے فارغ نہیں تھے۔آدھی تعلیم حاصل کر کے ذہانت کے زور پر مطالعہ کیا اور ایک مدرسہ قائم کیا پھر بریلوی مسلک کے بانی بنے۔حضرت لطیفی خانصاحب کی پیدائش سے بہت پہلے فارغ ہوئے اور کئی کتابوں کے مصنف بن چکے تھے اس لئے ان کا

بریلوی ہونا وہم وگمان سے دور ہے۔

مولانا محمد عابد صاحب نے دارالعلوم لطیفی میں استادوں کی بحالی میں غیر جانبداری کا خیال رکھتے ہوئے دونوں طبقوں کے علماء کو بحال کیا تاکہ دونوں طبقوں مین میل ملاپ ہو اور دارالعلوم سے جو طلبہ فارغ ہوں وہ فرقہ بندی سے الگ رہیں۔

دارالعلوم اور بحرالعلوم کا قضیہ:

کچھ لوگوں کو دارالعلوم کی غیر جانبداری کا طریقہ پسند نہیں تھا وہ دارالعلوم کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے۔ ان کو ایک تدبیر یہ سوجھی کہ چندی پور کا تعلق رحمٰن پورے سے اور رحمٰن پور کا تعلق بارگاہ عشق میتن گھاٹ سے ہے، ساتھ ہی یہ کہ حضرت شاہ لطیف علی رحمۃ اللہ علیہ مولانا حفیظ الدین کے پیر تھے اور پیر کی مناسبت سے ''لطیفی'' تخلص کرتے تھے ان دنوں حضرت شاہ حمیدالدین رحمۃ اللہ علیہ میتن گھاٹ خانقاہ کے گدی نشیں تھے ان کے پیر حضرت شاہ امجد حسین رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیر حضرت شاہ لطیف علی تھے اس لئے ان حضرات نے حضرت شاہ حمیدالدین کو ورغلا کر دارالعلوم لطیفی کے خلاف ان لوگوں کی تحریک کی سرپرستی کی درخواست کی اور ان سے کہا کہ حضرت دو دیوبندی مدرس دارالعلوم میں بحال کیے گئے ہیں اس کی مخالفت میں ہم الگ مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہماری سرپرستی کیجئے۔ حضرت شاہ حمیدالدینؒ نے پوچھا کہ مدرسہ کا نام کیا ہے بتایا گیا ''دارالعلوم لطیفی'' تو انہوں نے فرمایا ''لطیفی ہے نہ''؟ لوگوں نے کہا ''ہے'' تو پھر فرمایا یہ تو ہمارا ادارہ ہے اس میں اگر کوئی خرابی ہے تو ہم اس کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت شاہ حمیدالدین اور مولانا عابد:

یہ واقعہ کھوپرا گاؤں کا ہے یہ گاؤں ضلع کٹیہار کے اعظم نگر بلاک میں واقع ہے یہاں مولانا محمد عابد صاحب کے مرید کافی تعداد میں ہیں ایک ایسے ہی گھرانے میں ایک خاتون دوسرے گاؤں، بالوگنج کی تھیں یہ بھی مولانا عابد صاحب سے مرید تھیں لیکن ان کے بھائی

میتن گھاٹ سے مرید تھے اور اس زمانہ میں دار العلوم کے خلاف کچھ لوگ تحریک چلا رہے تھے اس خاتون کے بھائی نے اپنی بہن کو سمجھا بجھا کر اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ حضرت شاہ حمید الدین صاحب سجادہ نشین، میتن گھاٹ سے مرید ہو جائیں۔ شاہ صاحب کھوپڑا تشریف لئے گئے۔ مولانا عابد صاحب کے مریدوں نے عزت واحترام کے ساتھ ان کو رکھا ان کی میزبانی کی ان سے کہا گیا کہ اندر ایک خاتون آپ سے مرید ہونا چاہتی ہیں، وہ اندر تشریف لے گئے کمرے میں پردے کے پیچھے وہ خاتون تھیں دروازہ سے باہر برآمدہ میں شاہ صاحب۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا ارادہ ہے۔ اس درمیان آنگن کے لوگ اپنی زبان میں بولنے لگے کہ یہ تو مولانا عابد صاحب سے مرید ہو چکی ہیں یہ بات شاہ صاحب کے کان میں پڑی اور وہ سمجھ گئے کہ کوئی بات ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے تب ان کو صاف صاف بتایا کہ وہ مولانا عابد صاحب سے مرید ہو چکی ہیں۔ تب شاہ صاحب نے کہا کہ اس سے پوچھو کہ وہ جب مرید ہو چکی ہے تو دوبارہ پھر کیوں مرید ہونا چاہتی ہے تب بھائی نے بہن سے پوچھ کر بتایا کہ مولانا چندی پوری کو لوگ خراب کہتے ہیں۔ تب شاہ صاحب یہ سن کر ناراض ہوئے اور مرید کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ جو وہ ہیں وہی ہم ہیں ان کو خراب کہنے والے خود خراب ہیں وہاں سے غصہ میں باہر آئے یہاں لوگوں کا مجمع تھا لوگوں کے سامنے شاہ صاحب نے فرمایا: مولانا عابد وہ ہیں جو اپنے پاؤں پر کھڑے ہیں، ہم تو دوسرے کے سائے میں کھڑے ہیں۔

یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جو میتن گھاٹ سے تعلق رکھتے ہیں اور مولانا عابد صاحب کو بُرا کہتے ہیں۔

خواجہ شاہد حسین اور مولانا محمد عابد صاحب: (شاہ درگاہی) اپنے والد کے انتقال کے بعد بارگاہِ عشق خانقاہ میتن گھاٹ کے سجادہ نشین ہوئے ان کی عمر اس وقت ۱۶ یا ۱۷ سال ہوگی۔ تعلیم گلستاں بوستاں (فارسی)، میزان منشعب (عربی قواعد کی پہلی کتاب) تک تھی اس کے بعد تعلیم بند ہوگئی۔ وہ سجادہ نشین ہو کر جب پورنیہ (ابھی کا پورنیہ ڈویزن جو کٹیہار، کشن گنج،

ارر یہ اور صدر ضلعوں میں مشتمل ہے) آئے تو یہ لوگ جو دارالعلوم کے مخالف تھے موقع غنیمت جان کر ان سے ملے اور ان کو شیشہ میں اتارا کمسنی میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہ ان لوگوں کے پھندے میں پھنس گئے اس طرح شاہ درگاہی کی سرپرستی میں دارالعلوم کی مخالفت کو طاقت ملی اور برسوں یہ قصہ چلا۔ بحرالعلوم والے دارالعلوم والوں کو کافر وہابی وغیرہ کہہ کر دارالعلوم کو چندہ دینے سے منع کرتے تھے۔ مولانا عابد اپنے حلقہ میں جاتے ان کے سامنے یہ قضیے پیش ہوئے تو وہ کہتے بحرالعلوم بھی مدرسہ ہے آپ لوگ اس میں بھی چندہ دیجئے دارالعلوم کو بھی دیجئے اسی کشمکش میں برسوں بیت گئے۔ اکثر چندہ دینے والے دو گروپوں میں بٹ گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۸ء میں مولانا محمد عابد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔

درگاہی میاں کی صلح کی پیشکش: مولانا عابد صاحبؒ کے انتقال کے بعد شاہ درگاہی ایک سفر کے دوران سیتلپور پہنچے (یہ بستی رحمٰن پور سے پورب قریب ہی ہے) اور مجھے وہاں بلایا۔ ایک کمرہ میں شاہ صاحب تھے اور وہاں کے شرف الحق سرکار اور میرے ساتھ میرے پڑوسی اور دوست جلال الدین خان جو شاہ صاحب کے پیر بھائی تھے موجود تھے باقی لوگوں کو کمرے سے باہر کر دیا گیا تب شاہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ دارالعلوم کے بانی مولانا عابد صاحب حضرت لطیفیؒ کے خلیفہ اور حضرت لطیفیؒ حضرت شاہ لطیف علی کے خلیفہ ہم سب تو ایک ہی ہیں میری خواہش ہے کہ دارالعلوم بحرالعلوم کا جھگڑا ختم ہو ایک جلسہ بلایا جائے اور ہم لوگ مل کر اعلان کریں کہ ہم سب ایک ہیں۔

میں نے اس کے جواب میں کہا کہ خیال اچھا ہے بڑی اچھی بات ہے لیکن ایک مشکل یہ ہے کہ مولانا عابد صاحب کئی سال پہلے انتقال کر چکے ہیں ان سے اگر کسی بات سے توبہ کرانا ہو تو اب اس کے لئے وہ موجود نہیں اس لئے یہ بات ناممکن ہے اس پر وہ کچھ دیر چپ رہے میں نے کہا کہ جھگڑے کی بنیاد یہ ہے کہ مولانا عابد صاحب علمائے دیوبند کو کافر نہیں کہتے تھے اسی لئے وہ دیوبندی مولویوں کو دارالعلوم لطیفی میں مدرس رکھا ہے۔ اب آپ بتائیے کہ آپ کے بزرگوں

میں سے کس کس نے دیوبند کے علماء کے کفر کا فتویٰ دیا ہے؟ اس پر شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں نے فوراً کہا کہ ہم اہل طریقت ہیں ہم لوگوں کو اس جھگڑے سے کوئی مطلب نہیں ہمارے کسی بزرگ نے علماء دیوبند کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔

پھر میں نے کہا کہ ہمارے دادا نے بھی ان حضرات کو کفر کا فتویٰ دینے سے انکار کیا تھا اس لئے میں، میرے باپ دادا اور آپ کے باپ دادا سب کے سب بریلویوں کے نزدیک کافر ہیں اس پر وہ ہنسنے لگے اور مجھ سے کہا کہ آپ دارالعلوم جا کر مولانا شہاب الدین بن مولانا عابد صاحب سے ملاقات کر کے ان سے کہئے اور صلح کے لئے سلسلہ شروع کیجئے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک مدت تک اختلاف کرنے کے بعد صلح کے لئے آمادہ ہونے کی وجہ کیا ہے یقینی بات یہ ہے کہ غور اور تجربہ کے بعد ان کی سمجھ میں یہ بات آئی یہ جھگڑا دراصل مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے۔ دارالعلوم دیوبند والے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں کانگریس کے ساتھ مل کر جدوجہد کرتے رہے تھے۔ اور وہاں کے دو فارغ دارالعلوم لطیفی میں مدرس رکھے گئے تھے اور بحر العلوم کے کرتا دھرتا مسلم لیگی تھے اور کانگریس کے دشمن پبلک ہمارے علاقہ کی سیاست سے عام طور پر نا آشنا تھی اس لئے مذہب کے نام پر ایک جھگڑا کھڑا کر دیا گیا۔

غرض شاہ درگاہی سے بات چیت کے بعد میں دارالعلوم لطیفی گیا اور مولوی شہاب الدین، مولوی منور، مولوی عبدالرزاق کے سامنے میں نے شاہ درگاہی کی تجویز رکھی ان سب نے کہا کہ ہم لوگ جھگڑا کر ہی نہیں رہے ہیں جھگڑا تو بحر... والے کر رہے ہیں۔ ہم لوگ ہر وقت صلح کے لئے آمادہ ہیں۔ میں گھر آ کر شاہ درگاہی کی بات کا انتظار کرنے لگا۔ مگر پھر درگاہی میاں نے کبھی مجھ سے اس کے متعلق نہیں پوچھا اور بے پوچھے میں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ معلوم نہیں کیا رکاوٹ ہوگئی اب ان واقعات کے بعد میتن گھاٹ کے متوسلین کا دارالعلوم لطیفی یا مولانا عابد صاحب کی مخالفت نادانی اور ہٹ دھرمی ہی سمجھی جائے گی۔

حضرت مخدوم شرف الہدیٰ اور مولانا عابد صاحب: جب مولانا عابد

صاحب اور دارالعلوم کا قصہ چھڑ گیا ہے تو اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ایک واقعہ ہے۔ ۱۹۵۲ء کی بات ہے ان دنوں میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کالج، دہلی میں پڑھتا تھا گرمی کی چھٹیوں کا زمانہ تھا میں گھر پر تھا، بحرالعلوم کی ایک میٹنگ خلاف معمول خانقاہ رحمٰن پور میں رکھی گئی غالباً یہ مجلس شوری کی میٹنگ تھی اس کے لئے والد صاحب (حضرت مخدوم صاحبؒ) سے اجازت مانگی تو انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ رمضان کی چھٹی مدرسہ میں ہوگئی ہے یہاں سناٹا ہے ہم اس کے لئے کوئی انتظام نہیں کر سکتے تو شرف الحق سرکار سیتلپوری نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں سارا انتظام ہم لوگ کریں گے صرف اجازت اور جگہ چاہتے ہیں تب انہوں نے اجازت دیدی اس کے بعد ان سے شرکت کی درخواست کی گئی تو انہوں نے کہا کہ میں آج کل شادی کے انتظام میں مصروف ہوں موقع نہیں ہے تب ان لوگوں کے اصرار پر انہوں نے ۹ بجے سے ۱۱ بجے دن تک ۲ گھنٹے شرکت کا وعدہ کر لیا۔

میٹنگ کے روز لوگ آ گئے مگر درگاہی میاں کا پتہ نہیں لوگ انتظار کرنے لگے والد صاحب کو کندیلہ جانا تھا پہلے ہی سے دعوت تھی ۱۱ بج کر ۳-۴ منٹ ہو گئے تو چند لوگوں کو بلا کر کہا کہ کیا بجا ہے لوگوں نے بتایا تب انہوں نے کہا کہ میرا شریک ہونے کا وقت جس کا وعدہ تھا ختم ہو چکا ہے اب ہم کندیلہ جا رہے ہیں وہ چلے گئے ظہر بعد واپس ہو کر وہ سنار کے پاس بیٹھ گئے وہ زیور بنا رہا تھا میرے چھوٹے بھائی چراغ عالم کی شادی کے لئے۔ مسجد میں کافی لوگ جمع تھے اور یہ خبر آئی کہ درگاہی میاں اب مغرب تک سیتلپور آئیں گے اور وہیں میٹنگ ہوگی، مخدوم صاحب خواجہ صاحب بھی وہاں آئیں۔ تب میٹنگ کے اہم لوگوں نے مشورہ کر کے ۵ آدمی کو نمائندہ بنا کر حضرت مخدوم صاحبؒ کے پاس بھیجا۔

وفد نے ان سے پوچھا کہ ہم لوگ مولانا عابد صاحب کے خلاف تحریک چلانا چاہتے ہیں آپ ہم لوگوں کا ساتھ دیں گے یا نہیں۔ انہوں نے اطمینان سے وفد کی باتیں سنیں اور کہا کہ ''مولانا محمد عابد صاحب میرے استاذ ہیں اور میرا تعلق ان سے ایسا ہی رہے گا جیسا کہ ایک

شاگرد کا اپنے استاذ سے ہونا چاہیئے''۔ یہ بات انہوں نے بڑی مضبوطی اور ٹھہراؤ کے ساتھ کہی اور چپ ہو گئے۔ پھر ان لوگوں کو کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی۔

بعد مغرب جناب خواجہ وحید اصغر صاحب سیتلپور گئے لیکن والد صاحب نہیں گئے دوسری صبح جلال الدین خاں شاہ درگاہی کا پیغام لے کر آئے کہ آپ رات میٹنگ میں نہیں گئے درگاہی میاں آپ کو سمجھانے کے لئے یہاں آنا چاہتے ہیں۔ اس پر والد صاحب نے کہا کہ جلال خاں تم ہم کو بچپن سے جانتے ہو میرا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ درگاہی میاں آئیں خوش آمدید ہم ان کا استقبال کریں گے لیکن وہ یہ سمجھ کر آنا چاہتے ہیں تو آئیں کہ ہم ان کی یہ بات نہیں مانیں گے یہ خبر ملی تو درگاہی میاں نہیں آئے۔

چچا جان جناب خواجہ وحید اصغر صاحب کی چند اہم باتیں:

(۱) ترکی میں اسلامی خلافت کا مرکز تھا سلطان عبدالحمید خلیفہ وقت امیر المومنین سے انگریزوں نے خلافت کا خاتمہ کر دیا تھا ظاہر ہے عالم اسلام میں سخت غیظ وغضب پھیلا خاص کر ہندستان میں خلافت کمیٹی بنی۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی اس کے سربراہ تھے اور مولانا محمد علی جوہر مولانا آزاد وغیرہ وغیرہ اس کے لیڈر گاندھی جی نے بھی اس تحریک کی حمایت کی تھی۔ ہمارے علاقہ میں بھی خلافت کمیٹی کے جلسہ جلوس کا سلسلہ رہا جس کی تفصیل تو مجھے معلوم نہیں چچا صاحب نے بتایا کہ ہم لوگ جلوس میں جاتے تھے تو ترانہ گاتے تھے:

آن والے مولوی کیا شان والے مولوی

مولوی محمود حسن عرفان والے مولوی

اس تحریک میں مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی گوہر کی والدہ بھی جوش جہاد میں نکل کھڑی ہوئیں اس سلسلہ کی ایک نظم کا ٹکڑا چچا جان نے گا کر سنایا ؏

بولیں اماں محمد علیک کی جان بیٹا خلافت پہ دیدو

اور ترانہ کی ایک کاپی بھی میں نے گھر میں دیکھی تھی بچپن کا زمانہ تھا افسوس کہ وہ محفوظ نہیں۔

(۲) ایک موقع پر مختلف باتوں کا تذکرہ ہو رہا تھا چچا جان نے کہا: والد صاحب (حضرت لطیفی) فرماتے تھے مولوی احمد رضا خاں بکّو مولوی ہیں۔ بہاری زبان میں ''بکّو'' کہا جاتا ہے اہل زبان بکواس کرنے والا کہتے ہیں (یعنی بک بک، فضول باتیں کرنے والا فیروز اللغات)۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کی ایک بات اور اہم ہے وہ یہ کہ ان کا بڑا لڑکا شمس العالم ایک زمانہ میں نوعمری میں پڑھائی چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھٹکتا تھا، کہیں دکان داری شروع کر دی میں ایک دفعہ جامعہ کالج جانے لگا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ شمس العالم کو لے جاؤ اور دلّی جا کر اپنا داخلہ کرا کے شمس العالم کو دار العلوم دیوبند میں داخل کرا دینا، چنانچہ اس کو ساتھ لے گیا، لیکن اس کا دل جامعہ میں لگ گیا تو وہیں اسکول میں داخل کرا دیا۔

مولانا وصی الدین صاحب داماد حضرت لطیفی: یہ سب سے چھوٹے داماد تھے رحمٰن پور کے پاس قریبی گاؤں سیتلپور کے رہنے والے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں تعلیم پاتے تھے پھر مدرسہ شمس الہدیٰ سے فاضل کی ڈگری حاصل کی یہ اس خوش قسمت جماعت کے ایک فرد تھے جو پہلی دفعہ مدرسہ شمس الہدیٰ سے فارغ ہوا۔ ان دنوں مولانا سہول صاحب پورینی بھاگلپور والے پرنسپل تھے، میں نے ۱۹۳۳ء میں چند ماہ ان سے ہدایۃ النحو وغیرہ کتابیں پڑھی تھیں اور پھر ۱۹۵۴ء میں جب میں مدرسہ لطیفیہ کا ناظم و مدرس ہوا تو یہ اس مدرسہ میں پہلے بھی پڑھاتے رہے تھے لیکن دو ایک سال سے الگ ہو چکے تھے میں نے دوبارہ مدرسہ میں تعلیم دینے کے لئے بلایا وہ اس مدرسہ میں برسوں تک پڑھاتے رہے اور ان سے برابر باتیں ہوتی رہتی ہیں لیکن کبھی بھی دیوبندی بریلوی اختلافات کا تذکرہ نہیں ہوا۔ بعد کو بڑھاپے میں وہ مدرسہ سے الگ ہو گئے اور ان کا لڑکا مولوی ابوالبرکات ان کی جگہ مدرس ہوا یہ مدرسہ نعیمیہ مرادآباد کا فارغ تھا اور اس سے پہلے مولوی شمس العالم بن جناب خواجہ وحید اصغر، جو اسی مدرسہ سے فارغ ہوا تھا میں نے اس کو مدرسہ لطیفیہ میں پڑھانے کے لئے بحال کیا تھا اور میرے اخیر دور تک پڑھاتا رہا۔

مولانا وصی الدین صاحب ان دنوں جب ہماری خانقاہ میں گدی نشینی کے سلسلہ میں

مقدمات چل رہے تھے ان دنوں مولانا وصی الدین صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی ظہور الاقلیم صاحب میری طرفداری کررہے تھے۔ اس جھگڑے میں ثالثی بھی ہوئی تھی تو مولانا وصی الدین صاحب میری طرف سے ثالث تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم کٹر بریلوی اور کٹر دیوبندی دونوں سے چڑھتے ہیں۔ اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا لطیفیؒ دونوں پارٹیوں سے الگ تھے۔

لکھنؤ والوں سے حضرت لطیفیؒ کے تعلقات: اب اخیر میں بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ کے ایک خانوادہ کا تذکرہ کیا جائے جس سے حضرت لطیفیؒ کا اور ان حضرات کا حضرت لطیفیؒ سے نہایت مخلصانہ تعلق تھا۔

اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ احسان اللہ بغداد شریف سے ہندستان تشریف لائے یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے، ان کے لڑکے شاہ عزیز اللہؒ حضرت شاہ عبدالعزیز (بن شاہ ولی اللہ دہلوی) کے شاگرد تھے، ان کا تقویٰ اور علمی مقام اتنا بلند تھا کہ ان کو شاہ عبدالعزیز ثانی کہا جاتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جب ہند میں انگریزوں کا عمل دخل شروع ہوا تو ہند کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا اور جہاد کی تحریک شروع ہوئی اور حضرت سید احمد شہید اس کے امیر قرار پائے جہاد کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر امیر سید احمد اور ان کے رفقاء کی شہادت پر یہ تحریک ختم ہوگئی، اس میں شاہ عزیز اللہ صاحب بچ گئے لیکن ان کی تین انگلیاں کٹ گئی تھیں اور پھر مجاہدین جو بچ گئے تھے ان کے اہم لیڈروں کی تلاش انگریزوں نے شروع کی گرفتاری سے بچنے کے لئے یہ حضرات روپوش ہوگئے۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ عزیز اللہ لکھنوی پورنیہ کی طرف آگئے (ان دنوں ضلع پورنیہ بڑا ضلع تھا، اب ۴ ضلعوں میں بٹ گیا ہے، صدر پورنیہ، کٹیہار، کشن گنج، ارریہ) جہادی تحریک کی یہ کڑی مئی ۱۸۳۱ء کو ختم ہوگئی اس کے بعد شاہ عزیز اللہ صاحب کا آنا پورنیہ کی طرف ہوا یہاں جہالت بہت پھیلی ہوئی تھی یہ حضرت تبلیغ و تعلیم میں

مصروف ہو گئے۔ حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ قریب ۱۲ سال سہسرام کے مدرسہ میں ناظم اور مدرس اول رہ کر ۱۸۹۳ء میں اپنے وطن کنہر یا تھانہ اعظم نگر ضلع پورنیہ تشریف لائے یعنی ان کے پورنیہ آنے سے قریب ۶۰ سال پہلے سے شاہ عزیز اللہ اور ان کے بعد ان کی اولاد تبلیغ وتعلیم میں مصروف تھی یعنی ان کے بعد مولانا سید شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ ان کے بعد ان کے صاحبزادگان شاہ قمر الدین، شاہ قطب الدینؒ اور حضرت مولانا شاہ نجم الدین وغیرہ نے تبلیغ کے ساتھ رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا مجھے یہ نہیں معلوم کہ حضرت لطیفیؒ کی تشریف لانے کے وقت کون صاحب اس علاقہ میں آتے تھے۔

مطلب یہ کہ لکھنؤ کے اس گھرانے سے حضرت لطیفیؒ کا بہت گہرا مخلصانہ تعلق تھا دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ میرا قیاس ہے کہ حضرت شاہ عزیز اللہ لکھنوی کے پورنیہ آنے اور حضرت لطیفیؒ کے پورنیہ آنے میں قریب ساٹھ سال کا فرق ہے اس لئے گمان غالب ہے کہ حضرت لطیفیؒ کے آنے کے زمانہ میں شاہ عزیز اللہ کے صاحبزادے سید شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ہوگا۔ ان کے صاحبزادوں شاہ قمر الدین کو بچپن میں ایک دفعہ میں نے دیکھا اور دوسرے صاحبزادے شاہ نجم الدین کو تو اپنی جوانی کے زمانہ تک دیکھا اکثر ملاقاتیں لکھنؤ اور رحمٰن پور میں ان سے ہوتی رہیں اور ان کے صاحبزادے مولانا حفیظ الدین ندوی میرے نہایت مخلص دوست تھے۔ مجھے معلوم ہے کہ ان حضرات نے لوگوں کو نمازی بنانے کے لئے جمعہ کی نماز پر زور دیا اور دیہاتوں میں جمعہ کی نماز قائم کی اور ہندوانہ رسموں کے خلاف جو مسلمانوں میں سرایت کر گئی تھیں مشترکہ جدوجہد کی۔ مندرجہ بالا بیان سے یہ بات صاف ہو چکی کہ یہ لکھنوی حضرات نہ دیوبند سے تعلق رکھتے تھے نہ بریلی سے بلکہ ان کے مورث اعلیٰ ولی اللّٰہی مدرسہ کے فارغ تھے اور حضرت لطیفیؒ بھی دہلی سے فارغ ہوئے تھے۔ غرض حضرت لطیفیؒ اور ان حضرات کے تعلقات بہت گہرے تھے کچھ واقعات جن سے تعلقات کی شدت کا پتہ چلتا ہے بیان کرتا ہوں۔

رحمٰن پور کے قریب تمام بڑے لوگ لکھنؤ والوں سے مرید تھے اور ان حضرات میں

سے ایک صاحب دلشاد پور عیدگاہ میں عید کی نماز پڑھا کر ۵ شوال کی شام کو رحمٰن پور خانقاہ لطیفی سے قریب خان صاحبان کے یہاں آجاتے تھے یہ سلسلہ ۱۹۷۴ء تک قائم رہا۔ ۵ شوال سے خانقاہ میں۔ (۱) حضرت مخدوم بہاری کا عرس ہوتا تھا معمول یہ تھا کہ اس روز بعد نماز عشاء خانقاہ میں قوالی کی محفل جمتی تھی۔ لیکن پہلے فاتحہ ہوتا تھا۔ اس میں لکھنؤ والے شریک ہوتے تھے۔ خانصاحب کے یہاں سے خبر ملنے پر خانقاہ تشریف لاتے اور حضرت لطیفی کے ساتھ مسند پر بیٹھتے تھے اور فاتحہ میں شرکت کر کے واپس قیام گاہ چلے جاتے تو مولانا لطیفی بھی اپنا آدمی لالٹین لے کر ان کو پہنچانے کے لئے بھیجتے اور آدمی واپس آتا تو پوچھتے کہ پہنچ گئے؟ جواب ملتا ہاں تب قوالوں کو حکم ہوتا کہ اب شروع کرو جبکہ اور عرس جن میں لکھنؤ والے شریک نہیں ہوتے تو فاتحہ کے فوراً بعد قوال گانا بجانا شروع کر دیتے تھے یہ احتیاط صرف لکھنؤ والوں کے احترام میں کی جاتی تھی اس لئے کہ وہ حضرت باجہ کے ساتھ گانا سننے سے پرہیز کرتے تھے۔

(۲) دوسرا اہم واقعہ یہ کہ مولانا شاہ نجم الدینؒ اپنی لڑکی کی شادی اپنے بھتیجے مولوی جمال الدین (بن شاہ قمر الدینؒ) سے کرا رہے تھے اور دعوت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ کو دی گئی شادی کی ان تاریخوں میں حضرت کا پروگرام کلکتہ جانے کا تھا انہوں نے لکھا کہ میں ان تاریخوں میں کلکتہ میں رہوں گا اس لئے لکھنؤ جا کر شادی میں شرکت سے معذور ہوں۔

حضرت لطیفیؒ کے خط کے جواب میں مولانا نجم الدین صاحب نے لکھا کہ اس شادی میں آپ کی شرکت ہماری دلی خواہش ہے اس لئے ہم نے یہ تاریخ رد کر دی ہے اب آپ اپنی سہولت کے لحاظ سے خود تاریخ مقرر کر دیں جس میں آپ شریک ہو سکیں۔ اس کے بعد حضرت لطیفی کی مقرر کی ہوئی تاریخ میں شادی ہوئی اور حضرت لطیفی شریک ہوئے اور عقد انہوں نے پڑھایا۔

(۳) اب ایک اور واقعہ وہ یہ کہ میں اور مولانا حکیم حفیظ الدین ندوی (یہ مولانا نجم الدین کے صاحبزادہ تھے اور میرے بہت مخلص ہمدرد دوست تھے) دونوں ایک روز اعظم نگر

مولانا بدرالدین صاحب کے مکان پر پہنچے، دن جمعہ کا تھا اور اس وقت دن کے ۱۰ بجے تھے۔ یہاں مولانا بدرالدین صاحب کے صاحبزادے مولوی یحییٰ فاضل دیوبند ہمارے میزبان تھے۔ انہوں نے یہ سوال کیا کہ آج جمعہ کی نماز کون پڑھائے گا؟ حکیم صاحب نے جھٹ سے کہہ دیا کہ شاہ صاحب پڑھائیں گے (یعنی کہ راقم الحروف شاہ فیاض عالم) اس کے جواب میں میں نے کہا کہ امام وہاں تلاش کیا جاتا ہے جہاں امام مقرر موجود نہ ہو۔ مولوی یحییٰ کے دروازہ پر مسجد ہے اور وہ اس کے مقرر امام بھی ہیں ہم دونوں تو مسافر ہیں ٹک دم لینے کو ٹھہرے ہیں نماز مقرر امام ہی پڑھائیں گے۔ اس کے بعد مولوی یحییٰ ہنسے اور کہا کہ دونوں میں سے کسی کی بات نہیں رہے گی۔ ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ آخر کیا بات ہے کہ مولوی یحییٰ اس قدر یقین کے ساتھ یہ بات کہہ رہے ہیں۔ حکیم صاحب نے پوچھا کہ کیوں تب مولوی یحییٰ نے کہا کہ ایک وصیت ہے پوچھا گیا کہ کیا اور کس کی۔ تب انہوں نے بتایا کہ اس مسجد میں جمعہ قائم کرنے والے حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ تھے اور پہلی جمعہ کی نماز انہوں نے پڑھائی اور یہ اعلان کیا کہ اگر جمعہ کے روز لکھنؤ والوں کے اس خاندان کے لوگوں میں سے کوئی موجود ہوا تو جمعہ کی نماز وہی پڑھائیں گے۔ ظاہر ہے حکیم صاحب اسی خاندان کے فرد ہیں اور موجود ہیں۔ اس پر حکیم صاحب نے کہا کہ تب تو مجبوری ہے اس وصیت پر عمل کرنا پڑ گیا چنانچہ جمعہ کی نماز انہوں نے پڑھائی۔

ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان سے حضرت لطیفیؒ کے تعلقات کتنے پُر خلوص تھے۔

ایک واقعہ یہ کہ ایک دفعہ حضرت لطیفیؒ کے کسی مرید نے ان سے کہا کہ حضرت آپ لکھنؤ والوں سے اس قدر خلوص رکھتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں جبکہ سماع بالمزامیر (قوالی باجوں کے ساتھ) میں آپ سے وہ لوگ اختلاف رکھتے ہیں اس پر حضرت لطیفیؒ نے پوچھنے والے کو ڈانٹا کہ خبردار ایسا نہ کہو وہ لوگ نجیب الطرفین (نانیہال و دادیہال سے) سید ہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں ان کے خلاف کچھ نہ کہو۔

واقعات اور بھی بے شمار ہوں گے لیکن یہ چند اہم واقعات اس بات کے لئے کافی ہیں کہ مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ کا رجحان اور طریقہ کیا تھا۔

مولانا محمد علی مونگیری: بہت بڑے عالم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بانی اور پیرو مرشد بھی تھے اور مونگیر خانقاہ رحمانی کے بھی بانی تھے۔ان کا تعلق مولانا حفیظ الدینؒ سے معلوم نہیں لیکن ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقفیت ضرور تھی وہ یہ کہ رحمٰن پور سے تقریباً ۴ میل پچھم اتر ایک گاؤں ماہی نگر کے ایک آدمی خانقاہ رحمانی مونگیر پہنچے اور مولانا محمد علیؒ سے بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے اس کا گھر پوچھا اس نے بتایا پھر پوچھا کہ رحمٰن پور کتنی دور پر ہے یہ گاؤں اس نے بتایا تو مولانا مونگیری نے فرمایا کہ تم سورج کو چھوڑ کر چراغ کے پاس آگئے ہم تم کو مرید نہیں کریں گے لیکن اس نے بہت اصرار کیا اور وہیں رہ پڑا اور بار بار اصرار کیا اور یہ کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ سے مرید ہوا ہوں آخر انہوں نے اس کو مرید کر دیا اور کہا کہ تم غریب آدمی ہو تربیت وتعلیم کے لئے بار بار یہاں نہیں آسکو گے اس لئے گھر جا کر مولانا حفیظ الدین کو مرشد بناؤ چنانچہ وہ آیا اور مولانا حفیظ الدین کو مرشد بنایا یہ واقعہ مجھے حاجی عبدالغفور ماہی نگری نے بتایا کہ میں اس آدمی کو لے کر رحمٰن پور گیا اور اس نے مولانا لطیفیؒ کو مرشد بنایا اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد علی مولانا حفیظ الدین کو اچھی طرح جانتے تھے اس واقعہ سے حضرت لطیفیؒ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

واقعات اور بھی بہت سے ہوں گے لیکن یہ چند اہم واقعات اس کے لئے کافی ہیں کہ حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ کا رجحان اور طریقہ کیا تھا۔

اور پھر بیان اپنا: حضرت لطیفیؒ کی کتابوں سے کچھ بنیادی باتیں اور کچھ واقعات اور اہم لوگوں سے ان کے تعلقات پچھلے صفحات میں بیان کئے گئے۔اب یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے کچھ حالات حضرت لطیفیؒ کے تعلق سے بیان کروں تا کہ حضرت لطیفیؒ کے متعلق میرا نقطۂ نظر معلوم ہو سکے اور یہ بھی پتہ چلے کہ میں یہ مضمون کیوں لکھ رہا ہوں۔

ظاہر ہے سب سے اہم تعلق تو خاندانی اور نسلی ہے وہ یہ کہ وہ میرے دادا تھے ان کے تین لڑکے تھے سب سے بڑے حضرت ابوظفر امام مظفر قیصرؔ تھے جو امام صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ ابوظفر ان کی کنیت تھی میں نے قلمی کتابوں سے تلاش کر کے نکالی ہے عام کیا خاندان کے موجودہ لوگوں کو بھی اس کی خبر نہیں۔ وہ شاعر بھی تھے ان کا تخلص قیصرؔ تھا ان کا انتقال حضرت لطفیؔ کے انتقال ۱۳۳۳ھ جمادی الاولیٰ کے پونے ۳ ماہ بعد شعبان کے تیسرے ہفتہ میں ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت کے دوسرے صاحبزادے حضرت مخدوم شرف الہدیٰؒ خانقاہ لطفیؔ کے سجادہ نشین ہوئے اور قریب ۶۱ سال تک سجادہ نشین رہے اور ان کا انتقال ۱۲ جون ۱۹۷۴ء کو ہوگیا یہی میرے والد تھے اور میرے پیر اور مرشد تھے۔ حضرت لطفیؔ کے انتقال کے وقت ان کی عمر قریب ۲۳ برس تھی اس وقت تک ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں پہلی شادی ۱۶ سال کی عمر میں ہوئی ان کی اہلیہ کا انتقال شادی کے ایک سال کے بعد ہوا تو دوسری شادی کھریال علاقہ اعظم نگر ہوئی جو میری والدہ تھیں تیسرے لڑکے ان سے چھوٹے حضرت خواجہ اصغر صاحب تھے جو حضرت لطفیؔ کے انتقال کے وقت صرف ۱۲ سال کے تھے۔ میری پیدائش حضرت لطفیؔ کے انتقال کے ۵ برس بعد ہوئی جب میں نے ہوش سنبھالا تو اس زمانہ میں حضرت لطفیؔ کا چرچا اور اس کا جوش ٹھنڈا نہیں ہوا تھا ان کے مرید اور خلیفہ حضرات بڑی تعداد میں زندہ تھے اور ساتھ ہی حضرت لطفیؔ کی روایات بھی زندہ تھیں ظاہر ہے جب دادا جان اتنے بڑے بے نظیر عالم، صوفی پیر طریقت، اور شاعر اور کچھ کتابوں کے مصنف بھی جو اکثر چھپی ہوئی تھیں جن کو دیکھتا رہتا اور دیوان لطفیؔ کی کچھ غزلیں تو بچپن ہی سے گاتا تھا۔ چونکہ چھوٹی عمر ہی سے میں پڑھنے لگا تھا جلد ہی فارسی پڑھنے لگا نتیجہ یہ کہ دیوان لطفیؔ کی غزلیں پڑھنے اور گانے لگا اس کا اثر یہ ہوا کہ میں نے دس سال کی عمر میں ایک غزل دیوان لطفیؔ کے نمونہ پر کہی اور اس کو عیب کی طرح چھپائے رکھا اس لئے کہ ہم سے بڑے چچازاد پھوپھی زاد بھائی تھے ڈر تھا کہ یہ مذاق اڑائیں گے لیکن میری اس حرکت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ شاعری کے جراثیم مجھ میں بچپن ہی سے تھے شاید دادا جان کا ورثہ مجھے ملا تھا

آخر آگے چل کر میں شاعر بن کر رہا ظاہر ہے کسی کا دادا کچھ بھی ہوتا اپنے دادا کی عزت کرے گا ہی لیکن کسی کا دادا اگر حضرت لطیفیؒ جیسا صاحب تقویٰ صاحب علم و معرفت مصنف اور شاعر ہو تو پھر علم و حکمت کا شیدائی پوتا اپنے دادا کی کیا قدر دانی کرے گا ظاہر ہے۔ چنانچہ بچپن ہی سے دادا جان کی کوئی کتاب ناقدری سے اِدھر اُدھر پڑی ملتی تو میں اٹھا کر حفاظت سے رکھ لیتا ایک کتاب ''عجالہ نافعہ'' مجھے بچپن میں ملی اس طرح کہ ایک ٹوٹا ہوا ٹین کا بکس تھا اس میں یہ کتاب کافی تعداد میں رکھی ہوئی مکان کے دکھن دالان میں یہ بکس پڑا ہوا تھا میں نے صرف ایک کتاب اٹھا کر رکھ لی جو آج بھی میرے پاس موجود ہے۔ یہ کتاب انہوں نے اپنے چھوٹے صاحبزادہ حضرت خواجہ وحید اصغر کی تعلیم کے لئے لکھی تھی اس میں نماز روزہ کے مسئلے درج ہیں۔ ''عجالہ'' ایسی کتاب کو کہتے ہیں جو جلدی لکھی جائے اس طرح کہ لکھنے بیٹھے اور ایک ہی نشست میں لکھ کر ختم کر کے اٹھے۔ یہ کتاب اردو میں ہے۔

ایک اور کتاب ''تلک عشرۃ کاملہ'' ہے جو وحدۃ الوجود پر ہے اس فقرہ کے معنی ہیں۔ یہ ''پورے دس ہیں'' یہ چھوٹا سا رسالہ ہے صرف ۱۰ صفحات پر اور دس ہی دلیلیں اس میں ہیں۔ یہ کتاب فارسی میں ہے اس میں بہت ہی مشکل مسئلہ وحدت الوجود کو بیان کیا گیا ہے۔ مجھے یاد نہیں مجھے یہ کتاب کب ملی لیکن یہ کتاب میرے لئے ایک انقلابی چیز ثابت ہوئی یعنی میں یہ کتاب غور سے اس وقت پڑھنے لگا جب میں ستمبر ۱۹۳۹ء میں مدرسہ الٰہیات کانپور سے فارغ ہو کر گھر بیٹھا۔ یہ کتاب سخت مشکل ہے اور کئی مقامات کو میں سخت کوشش کے باوجود سمجھ نہیں سکا۔ اور میں نے فیصلہ کیا کہ دادا جان لکھ گئے اور میں سمجھ نہیں سکا اب میں پھر پڑھنے نکلوں گا اور گھر جب بیٹھوں گا جب خود کتاب کا مصنف بن جاؤں گا۔ غرض یہ کتاب گھر سے دوبارہ پڑھنے کے لئے نکلنے کا سبب بنی غرض حضرت لطیفیؒ میرے دادا اتنے بڑے عالم اور مصنف نہ ہوتے اور ایسی مشکل کتاب نہ لکھتے تو میں ہرگز دوبارہ پڑھنے کو باہر نہ نکلتا اور نہ مصنف بنتا چنانچہ میں نے گھر بیٹھنے سے پہلے اقبال کا فلسفہ حیات کتاب لکھی جس کے متعلق ڈاکٹر پروفیسر عابد حسین Ph.D

پرنسپل جامعہ کالج نے اس کو پڑھ کر کہا اقبال پر اتنی مختصر اور جامع کتاب آج تک نہیں لکھی گئی ہے آپ اس کو ضرور چھپوائیں چنانچہ یہ کتاب ۱۹۸۴ء میں بہار اردو اکیڈمی کی مدد سے چھپ چکی ہے اور ایک ڈرامہ ''دیوان غالب صاحب'' جامعہ کالج میں پڑھنے کے دوران چھپ چکی اور کئی کتابیں رکھی ہوئی اور کئی زیرتحریر ہیں دیکھیں ان کی قسمت میں کب چھپنا ہے۔ اس کے بعد یہ کتابیں ہیں: ۱ بنیاد پرستی اور اسلام لکھی ہے موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے اس کا ترجمہ انگریزی میں ہورہا ہے تاکہ ساری دنیا میں یہ پھیلے۔ ۲ ''کیا تعویذ کا استعمال توہم پرستی ہے'' یہ کتاب عرب کے علماء کی کتاب کے جواب میں لکھی گئی ہے جو تعویذ کو شرک بتاتے ہیں۔ ۳ ایک نیا ترجمہ لطائف حفظ السالکین کا ہے۔ ۴ چیز جوڑ اور اسلام۔ ۵ عورت اور اسلام وغیرہ کتابیں تیار ہیں۔

حضرت لطیفیؒ کی تین کتابیں تو مشہور ہیں اور ملتی بھی ہیں (۱) لطایف حفظ السالکین جو مریدوں کی ہدایت کے لئے لکھی گئی اس کا اردو ترجمہ مولانا محمد عابد صاحب نے کیا اور یہ کتاب ۱۳۴۷ھ میں مولانا عابد صاحب نے چھپوائی۔ اور میرے سامنے اس کی ایک کاپی میرے والد صاحبؒ کو دی اور میرے پاس برابر رہی۔ یہ حضرت لطیفیؒ سے دلی تعلق اور ان کی کتابوں کے مطالعہ کے شوق ہی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۵۲ء میں جب میں جامعہ ملیہ کالج میں پڑھتا تھا والد صاحب کو خط لکھا کہ لطائف حفظ السالکین کتاب کا ترجمہ حضرت مولانا محمد عابد صاحب کا پرانی اردو میں ہے اور آج کل کے لوگوں کے سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے اور یہ کہ آج کل ترجمہ کا طریقہ بھی بدل گیا ہے اور مریدوں کی ہدایت کے لئے مولانا کی یہ کتاب بہت اچھی ہے اس لئے میں نے اس کا اردو ترجمہ آج کل کی سادہ سلیس زبان میں کرنا شروع کردیا ہے اور میرا خیال ہے کہ حضرت لطیفیؒ کی اور کتابوں کے بھی ترجمے کئے جائیں اور چھاپے جائیں۔ اس کے لئے لطیفی دارالاشاعت قائم کیا جائے۔ والد صاحب بہت دوراندیش تھے انہوں نے کہا کہ خیال نیک ہے ترجمہ کرو جب یہ پورا ہوجائے تو چھپے گی اور اُسی وقت لطیفی دارالاشاعت کا اعلان کیا جائے اور اسی کے

ماتحت یہ کتاب چھاپی جائے گی۔ وقت سے پہلے اعلان مناسب نہیں۔ چنانچہ اعلان نہیں کیا گیا اور عجیب قصہ یہ ہوا کہ میں اس وقت کالج میں رہتے ہوئے ۲۲ صفحات تک ترجمہ کر چکا تھا کام رکا رہا اور ۱۹۵۴ء میں جب میں گھر آیا اور والد صاحب نے مدرسہ اور خانقاہ کا مجھے ناظم بنا کر دو اداروں کا بوجھ مجھ پر ڈال دیا تو مجھے دم مارنے کی مہلت نہیں ملی۔ مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں لگ گیا چنانچہ جہاں مدرسہ میں پہلے سے ایک مدرس اور ۴-۵ لڑکے ہوسٹل میں رہتے تھے بعد کو ۲ مدرس ہوئے تھے۔ میں نے کوشش اور حضرت مخدوم صاحبؒ کی سرپرستی اور ہدایت کے مطابق عوام کے تعاون سے بڑھا کر ۸ مدرس، ایک دفتر کلرک اور ہوسٹل میں ۴۵ امدادی طلبہ تک پہنچا دیا۔ پھر جون ۱۹۷۴ء میں والد صاحب کا انتقال ہوا تو مجھے یاد آیا کہ والد صاحب سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں ہوا۔ لطائف کا ترجمہ ۲۲ صفر تک ۲۲ سال پہلے کیا ہوا رکا ہوا ہے تو میں مستعد ہوا اور ۲۲ دن میں ترجمہ مکمل کر لیا ساتھ ہی اس کا دیباچہ (Preface) لکھا جس میں تصوف کا تعارف کرایا بیعت کیا ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث سے دیا اہل حدیث اور نئے زمانہ کے لوگوں کے شک و شبہات کو دور کیا ساتھ ہی مولانا شاہ عون احمد قادری پھلواری شریف خانقاہ مجیبیہ سے پیش لفظ لکھوایا لیکن اہل زمانہ کی سرد مہری کی وجہ سے یہ کتاب رکھی ہوئی ہے اب تک چھپ نہیں سکی۔ ساتھ ہی ''تـلـك عشرة كاملة'' کا اردو ترجمہ بھی میں نے کیا ہے۔ حضرت لطیفیؒ کی کتابوں کی تلاش کا سلسلہ جاری رکھا۔ تین کتابیں تو اب تک چھپی ہوئی مل سکتی ہیں خانقاہ عابدیہ چندی پور (مقام و ڈاکخانہ) وایہ تلسی ہٹہ ضلع مالدہ سے لیکن باقی کتابیں نایاب ہیں ایک کتاب ہے منطق کی حضرت لطیفیؒ کی لکھی ہوئی چندیپور میں ملی تھی لیکن وہاں سے واپسی میں ہم لوگ کٹیہار آنے کو ہرشچندر پور اسٹیشن میں بیٹھے مولوی منور صاحب اور دیگر علماء موجود تھے اس کتاب کو دیکھ رہے تھے ٹرین آئی جلد بازی میں ہم لوگ سوار ہو گئے۔ کٹیہار آ کر تلاش کیا کتاب نہیں ملی جس کا اب تک افسوس ہے اس کتاب کی اہمیت اس لئے زیادہ تھی کہ اس میں نقشے بنے ہوئے تھے اوپر کے دھڑ کا خاکہ لکیروں سے بنا ہوا تھا اور بدن کے مختلف حصوں کے متعلق کچھ باتیں درج تھیں مولوی منور

صاحب اور کچھ علماء حل کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور حل نہیں کر پا رہے تھے میں نے غور نہیں کیا کہ میں گھر لے جا دیکھوں گا اور حل کرنے کی کوشش کروں گا افسوس کہ وہ قیمتی کتاب گم ہوگئی اسی طرح علم نحو پر بھی ان کی کتاب تھی وہ اب تک نہیں مل سکی ہے۔ ایک اہم کتاب خطبات جمعہ دوازادہ ماہی قلمی کے متعلق دیوان لطیفیؔ کے اخیر میں تذکرہ تھا میں نے چندی پور میں اس کی تلاش کی تو مولانا عابدؒ کے چھوٹے صاحبزادے مولوی عبدالجبار صاحب کے پاس تھی اور انہوں نے مجھے دیدی لیکن کتاب کے اوپر کچھ لکھا ہوا نہیں تھا اس لئے میں نے مولوی عبدالجبار سے کہا کہ آپ اس پر لکھ دیجئے۔ چنانچہ "الخطبة الاولى لشهر عاشوره" جس صفحہ پر درج ہے اسی پر یہ عبارت لکھی گئی۔

"مجموعہ خطبات دوازدہ ماہی

از تالیف حضرت مولانا محمد حفیظ الدین صاحب لطیفیؔ قدس سرہٗ

یہ روایت مجھ سے مولوی عبدالجبار صاحب چندیپوری ابن حضرت مولانا محمد عابدؒ نے کی اور وہ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ یہ مجموعہ حضرت مولانا حفیظ الدین قدس سرہ کی تالیف ہے"۔

اس کے بعد دستخط ہے (۱) شاہ فیاض عالم ولی اللّٰہی ۹۴-۲-۱۷ھ

(۲) احقر عبدالجبار غفرلہٗ

یہ خطبے سب کے سب عربی میں ہیں ان کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت لطیفیؔ کتنی اچھی عربی لکھنے پر قدرت رکھتے تھے اور عام خطبوں کے مقابلہ میں ان کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ ان میں شریعت وطریقت کے گہرے مسائل درج ہیں۔ بعض خطبے نظم میں ہیں اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربی شاعری میں بھی ان کا کتنا اونچا مقام تھا۔ ایک عجیب بات یہ کہ قرآن کی ایک آیت ہے:

"اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِر"

کو اپنے خطبہ کا ایک مصرع بنادیا ہے۔ یہ محرم کا پہلا خطبہ ہے جس میں پورے ۱۴۵ اشعار ہیں۔
مختلف خطبوں میں مختلف مسائل درج ہیں ان میں سے بعض پر آئندہ بحث ہوگی۔ اختلافی مسائل کے ضمن میں۔

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا کہ میں بچپن ہی سے حضرت لطیفیؒ کی کتابوں کی تلاش میں رہتا تھا جب میں جامعہ ملیہ کالج سے آکر گھر بیٹھا اور والد صاحب کے حکم سے خانقاہ لطیفی اور مدرسہ لطیفیہ کی ذمہ داری سنبھالی اس زمانہ میں ماسٹر معین الدین صاحب عماد پوری مدرسہ لطیفیہ میں ماسٹر تھے ان کے بڑے بھائی منشی محمد ظفر صاحب مرحوم تھے غالباً مولانا حفیظ الدین کے شاگرد رہے ہوں گے ان کے پاس حضرت لطیفیؒ کے کتابوں کا ایک مجموعہ تھا ان کے بعد یہ کتاب ماسٹر معین الدین صاحب کے پاس تھی جو انگریزی داں تھے فارسی عربی نہیں جانتے تھے اور ان میں انہیں سے اکثر کتابیں فارسی میں ہیں اس لئے یہ کتاب ان کے لئے بے مصرف تھی میں نے ان سے خریدی تفصیلات ذیل میں درج کر رہا ہوں۔

(۱) پہلی کتاب کے ٹائٹل پر یہ لکھا ہوا ہے:

مجموعۂ رسائل، (۱) الٰہی نامہ و (۲) خذ بجدہ و (۳) بما اغنی من الکلام و (۴) رقعات لطیفیہ اب ان کا حال لکھ رہا ہوں۔

(الف) الٰہی نامہ: یہ قصیدہ نعتیہ عربی میں ہے اور فارسی شعروں میں عربی شعروں کا ترجمہ ہے۔ ۳۹ شعر عربی کے ہیں اور کچھ اشعار فارسی کے ترجمہ کے علاوہ ہیں کُل ۵ صفحات کا یہ رسالہ ہے اس کے بعد پھر الٰہی نامہ، ص:۱ سے ص:۱۵ تک ہے اس میں حمد خدا تعالیٰ، نعت، شریعت، طریقت کے مسائل، پند خاص، مناجات وغیرہ فارسی اشعار میں ہیں جو بہت رواں ہیں اور اخیر میں مناجات منظوم ۳ صفحات پر ہے اس میں فارسی کے ۱۵۱ اشعار ہیں۔ اس کے بعد ''خُـذبجدُ'' (۱۳۱۴) اس نام کے عدد ہیں جس سے سنہ تالیف کا پتہ چلتا ہے۔ اس میں حسب ذیل مسئلے درج ہیں اور یہ رسالہ اپنے بڑے لڑکے حضرت امام مظفر کی تعلیم کے لئے سوال و جواب

کی صورت میں لکھا گیا ہے اس میں ایمان، اسلام، نماز کی شرطیں، نماز کے واجبات، سنتیں، مستحبات جن کا کرنا نماز میں جائز نہیں مکروہات نماز، وہ اعمال جن سے ثواب عذاب کچھ نہیں۔ زکوٰۃ کے مسائل اور حج اخیر میں احکام کی حکمتوں کے متعلق کچھ جملے ہیں یہ کتاب ۱۱½ صفحات پر ہے۔ فارسی میں لکھی گئی یہ ''بما اغنی من الکلام'' وہ باتیں جو علم کلام (عقائد) سے بے نیاز کرنے والی ہیں یہ کتاب فارسی میں صرف ۷ صفحات پر ہے نام تاریخی ہے (۱۳۱۶) عدد سے لکھنے کی سنہ کا پتہ چلتا ہے۔ رواں فارسی میں عقائد کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن تقدیر کے مسائل سے بحث کرنے کی ممانعت حدیث سے کی ہے خلافت سے بحث کی ہے کہ حضرت ابوبکر ﷺ سے حضرت حسن ﷺ تک ترتیب وارحق ہے جو معلوم ہے اور یہ لکھا ہے کہ ان حضرات کے بعد کے بارے میں مجھ سے نہ پوچھو۔

اس کے بعد کتاب ہے ''رقعات لطیفیہ'' یہ کتاب الگ سے نہیں ملتی الگ کتاب مکتوبات لطیفیؒ ہے جس میں واقعی خطوط ہیں جو حضرت لطیفیؒ نے مختلف لوگوں کے نام لکھے ہیں اور یہ رقعات اصلی خط نہیں بلکہ فرضی طور پر لکھے گئے ہیں شروع ہی میں حضرتؒ نے لکھا ہے کہ اپنے لڑکے سید امام مظفر کی تعلیم کے لئے لکھے گئے ہیں یہ ۱۱ صفحات کی کتاب ہے اس میں مختلف مسائل درج ہیں اور ۴۰ خطوط ہیں۔ خطوط میں القاب وخطاب قدیم فارسی طرز پر ہے اور باقی مضمون سلیس فارسی میں۔ ان میں سے بعض مسائل کا بیان اختلافی مسائل کے ضمن میں ہوگا۔

جس جلد میں یہ کتابیں (یا رسالے) ہیں ان میں دو مجموعے ہیں پہلا مجموعہ ۴ رسالوں پر مشتمل ہے باقی دوسرا مجموعہ ان رسالوں پر مشتمل ہے۔ (۱) تسہیل التصریف (۲) جریس الغیب (۳) جسیر الغیب (۴) وسیلۃ التصریف۔

(۱) **تسہیل التصریف:** یہ کتاب اردو میں ہے اور یہ پرانی اردو میں ہے اور ۳۹ صفحات کا رسالہ ہے اس میں صرف عربی کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب عربی زبان کی پہلی قواعد کی کتاب ہے جو صرف سے متعلق ہے یعنی عربی افعال کی گردان کیا گیا، کس کس طرح

ہے اس میں اچھی طرح سمجھا کر بتایا گیا ہے یہ کتاب مشہور کتاب میزان سے بے نیاز کرنے والی ہے۔ بلکہ میزان سے زیادہ گردان اس میں ہیں۔

(۲) جریس الغیب (۱۳۱۶): یہ ص:۱ سے ص:۷ تک ہے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ثلاثی مجرد (یعنی ۳ حرفی فعل جس میں صرف حروف اصلی ہیں اور کوئی زیادتی کسی حرف کی نہیں ہے) اس کے مصدروں کے وزن ۳۳ بتائے ہیں اور سب کی مثالیں اور گردان ہیں اس میں اہم بات یہ کہ تفصیلی بیان ہے جو فارسی نثر میں ہے اس سے پہلے ۹ فارسی اشعار میں ان تمام ۳۳ مصدروں کے وزن کو بیان کیا گیا ہے ظاہر ہے ۳۳ وزنوں کو یاد رکھنا مشکل ہے لیکن ۹ شعروں کو یاد کرنا آسان ہے اور پھر

(۳) جسیر الغیب (۱۳۱۶): ایک صفحہ میں جو کہ نظم میں ہے اور اس میں ۱۹ شعر اردو کے ہیں حروف صحیح اور غیر صحیح کے ۱۳ جنس بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد

(۴) وسیلۃ التصریف ہے یہ ۲۷ صفحات کی کتاب ہے جو فارسی نظم میں ہے جو بہت ہی رواں دواں بحر میں ہے اس میں صَرف کے تخفیف و تعلیل اور ادغام کے مسائل کئی بابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب مشکل ہے اسی لئے ہر شعر پر حاشیہ لکھا گیا ہے اور یہ حاشیئے بھی فارسی میں ہیں۔

''بیان اپنا'' کے سلسلہ میں میں نے اس تلاش تجسس اور حصول وحفاظت کا ذکر کیا جو حضرت لطیفیؔ کی کتابوں سے متعلق تھا اس ضمن میں یہ بتانا مناسب ہوگا کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت لطیفیؔ کے خلیفہ مولانا غلام مصطفیٰ سہسرامی نے اپنے پیر کی سوانح عمری لکھی ہے ان کے انتقال کے برسوں بعد میں ''گیا شہر'' اس کتاب کی تلاش میں گیا وہاں تلاش میں سخت دشواری پیش آئی اس لئے کہ جس سے ملنا تھا اس کا نام نہیں معلوم تھا نہ ہی اس محلّہ کا نام جس میں وہ شخص رہتا ہے آخر پروفیسر کلام حیدری مرحوم نے بتایا کہ چھتہ مسجد کے پاس حکیم سعید صاحب پرانے آدمی ہیں ان سے ملئے شاید وہ کچھ بتا سکیں چنانچہ وہاں گیا ان سے مل کر اپنا نام پتہ بتایا تو ایک

صاحب جو وہاں بیٹھے تھے مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ کا نام سن کر چونکے اور مجھ سے پوچھا کون مولانا حفیظ الدین رحمٰن پوری؟ میں نے کہا جی ہاں انہوں نے پوچھا آپ ان کے کون ہیں میں نے اپنا رشتہ بتایا تو وہ فوراً اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور مجھے سلام کیا مصافحہ کیا اور گلے ملے اور بتایا کہ میرے ماموں مولانا یونس رجہتی گیاوی حضرت لطیفیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے ان کا انتقال رحمٰن پور خانقاہ میں ہوا ۱۹۴۲ء میں، میں بھی رجہت کا ہوں وہ مجھ سے مل کر بڑے خوش ہوئے اور مجھے بھی بہت خوشی ہوئی کہ لیجئے آخر حضرت لطیفیؒ کے جاننے والے بے نام گلیوں کی تلاش میں مل گئے انہوں نے کہا کہ دو مقامات ہیں جہاں پتہ لگنے کا امکان ہے (۱) مدرسہ قاسمیہ (۲) گیا ٹنٹ ہاؤس۔ بتایئے کہاں چلتے ہیں؟ میں نے کچھ دیر سوچا پھر کہا گیا ٹنٹ ہاؤس چلئے وہاں پہنچے تو ریاض گیاوی مالک ٹنٹ ہاؤس ملے اخلاق سے ملے اور پوچھنے پر بتایا کہ میں مولانا غلام مصطفےٰ فخر سہرامی کا نواسہ ہوں، ان کا انتقال دیہات میں ہوا تھا وہ اخیر عمر میں سہرام چھوڑ کر اپنی لڑکی کے یہاں رہ پڑے تھے۔ مجھے معلوم نہیں کہ سوانح عمری کہاں ہے؟ لیکن میں کوشش کروں گا کہ وہ مل جائے۔ اس کے بعد مجھے کئی دفعہ گیا جانے اور ریاض گیاوی سے ملنے کا اتفاق ہوا انہوں نے بتایا کہ افسوس اس کتاب کا پتہ نہیں چلا۔ اور میری یہ کوشش ناکام ہوگئی جس کا افسوس ہے۔

اخیر میں ایک بات جس کے بغیر ''بیاں اپنا'' ادھورا رہ جائے گا وہ یہ کہ میں جب اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جنوری ۱۹۳۷ء میں مدرسہ الٰہیات کانپور میں داخل ہوا وہاں اچھی خاصی لائبریری تھی، اس لئے کہ یہ مدرسہ پہلے جب کھولا گیا تو اس کا مقصد طلبہ کو پڑھانا نہیں بلکہ جو لوگ مدرسوں سے فاضل کی ڈگری پائے ہوئے تھے ان کو داخل کیا جاتا تھا اُس زمانہ میں فرقہ پرست ہندوؤں نے شدھی سنگھٹن کے نام سے ایک تحریک چلائی تھی مسلمانوں کو ہندو بنانے کی، ساتھ ہی انگریز پادری عیسائی بنانے کے لئے الگ سرگرم عمل تھے ان دونوں کا مقابلہ کرنے کے لئے فاضلوں کو اس مدرسہ میں داخل کیا جاتا۔ اسلامی عقائد اور فلسفہ وغیرہ کی اونچی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں اور وید اور انجیل کا مطالعہ کرایا جاتا اور مناظرہ ان فرقوں کے ساتھ

کرنے کی مشق کرائی جاتی تھی اور جب برسوں کے بعد ان تحریکوں کا خاتمہ ہوگیا تب بھی یہ مدرسہ باقی رہا لیکن نیچے درجہ کی تعلیم وہاں نہیں ہوتی تھی۔ فاضل اور اس سے پہلے ۲ سال کی تعلیم ہوتی تھی وہاں میں نے کافی مطالعہ کیا اور شروع ہی میں سیاست سے متاثر ہوکر کانگریس اور دوسری مسلم سیکولر جماعتوں کا ہمنوا ہوگیا اور یہ نعرہ لگانے لگا:

ہندو مسلم سکھ عیسائی آپس میں سب بھائی بھائی

اور ظاہر ہے جب یہ خیال ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ کہ وہ جماعتیں جو ہندو مسلم وغیرہ اتحاد تو کیا مسلمانوں کے اتحاد کی بھی مخالف تھیں اور آپس کی لڑائیوں میں مصروف تھیں وہ میری نظر میں غلط قرار پائیں۔

چونکہ مزاج سیاسی ہوگیا تو ملک کی غربت اور غریبوں کی بدحالی کی طرف نظر جاتی تو غریبوں کو لوٹنے والے سرمایہ داروں اور رقم اینٹھنے والے جعلی پیروں کا بھی مخالف ہوگیا اور پھر یہ کہ عام صوفیوں کا بھی مخالف ہوگیا یہاں تک کہ جب دیوبند پڑھنے گیا تو دیکھا کہ شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی بھی پیر تھے جن کے مرید عرب وعجم میں ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے اور مدرسین بھی کسی نہ کسی پیر سے مرید تھے جو میرے لئے الجھن پیدا کرنے والی بات تھی۔ ساتھ ہی مولانا اشرف علی تھانوی کے مرید کافی تعداد میں لوگ تھے، جو سیاست سے بالکل الگ تھلگ تھے اور میں سیاست کے میدان میں سرگرم اور ان کے لوگ خاصے تنگ نظر تھے اس لئے مجھے اس طبقہ سے خاصی وحشت ہوتی تھی اور تھانوی صاحب کو میں ایک راہب سمجھتا تھا۔

آخر ایک دفعہ مجھے خیال ہوا کہ کیوں نہ میں اپنی الجھن کے سلسلہ میں یہاں کے سب سے بڑے عالم صوفی مجاہد آزادی مولانا حسین احمد مدنی سے براہ راست ملوں اور ان سے پوچھوں۔ ظہر بعد ان کے یہاں علماء بیٹھتے اسی مجمع میں اکا دکا طالب علم بھی ہوتا میں کئی دن وہاں بیٹھا، شیخ مدنی کے پاس ایک بڑا تشت فنجانوں سے بھرا اور ایک کیتلی سبز کشمیری چائے کی آئی اور وہ خود فنجانوں میں چائے انڈیلتے اور ایک خادم حاضرین کو چائے دیتا۔ کئی دن کے بعد جب مجمع

چھٹا اور وہ اکیلے رہ گئے تو میں نے ایک پرچی ان کے ہاتھ میں دی اس میں یہ لکھا تھا کہ کیا تصوف بدعت ہے؟ اور صوفیاء کے اذکار واشغال بدعت ہیں۔ وہ اندر جانے ہی والے تھے یہ پرچی لے کر وہ پھر باہر نشست گاہ میں آئے جہاں زمین پر کھجور کی چٹائی بچھی تھی اور بیٹھ گئے میں بھی ان کے قریب بیٹھ گیا انہوں نے حدیث جبریل سنائی اور یہ بتایا کہ ''احسان'' عبادتوں کی روح ہے شریعت عبادت کے جسم کو بناتی ہے احسان روح کو یعنی حضور نے فرمایا ہے کہ الاحسان ان تعبدالله کا نک تراہ٥اِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاکَ۔حضرت جبریل نے صحابہ کی تعلیم کے لئے حضور سے سوالات کئے حضور نے جوابات دیئے اس میں احسان کی حقیقت یہ بتائی کہ تم خدا کی عبادت میں اس قدر حضور قلب پیدا کرو کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ مقام حاصل نہ کر سکو تو کم از کم اتنا پختہ خیال ہو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے،تو یہ مقام حضور کے وقت صحابہ کو حضور کے پاس بیٹھنے کی برکت سے حاصل ہو جاتا تھا اور اب جب حضورؐ نے دنیا سے پردہ کر لیا تو دلوں کی صفائی کا وہ ذریعہ سامنے نہ رہا تو حضور کی تعلیمات کے مطابق ذکر کی کثرت نماز و تلاوت وغیرہ کی کثرت کا حکم جیسا کہ قرآن میں ہے اس کو صوفیاء نے اختیار کیا ساتھ ہی حسد،بغض عداوت،خواہشات نفسانی کو قابو کرنے کے لئے صوفیا نے کچھ نفسیاتی علاج متعین کئے جن کو وہ دین کا جز نہیں مانتے اور حضور کے قول کے مطابق دین میں نئی بات پیدا کرنا بدعت ہے۔دین کے لئے کوئی وسیلہ یا ذریعہ نیا ہو تو وہ بدعت نہیں۔

غرض ان باتوں سے میری تسلی ہوگئی بعد کو حضرت شاہ ولی اللہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو بقول مولانا عبیداللہ سندھی (جو اس دور میں شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کے پرجوش مبلغ تھے) انسان کی تکمیل طریقت کے بغیر نہیں ہو سکتی شاہ صاحب کی کتاب ''القول الجمیل'' تصوف کے آداب و اشغال پر اور ''ھمعات'' تصوف کے فلسفہ پر پڑھنے کے بعد اور خیالات گہرے اور راسخ ہوگئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ میں صوفیوں سے بدظن ہوا جعلی اور ٹھگ پیروں کو دیکھ کر لیکن

زندگی کے کسی حصہ میں حضرت لطیفیؒ سے بدظن نہیں ہوا اور ہمیشہ ان سے عقیدت قائم رہتی چلی آرہی ہے اور ایک عجیب بات یہ کہ ۱۹۴۱ء میں جب کہ صوفیوں سے بدظن ہونے کا زمانہ تھا میں نے دوبارہ پڑھنے کے لئے جانے کا ارادہ کیا تو آخری فیصلہ سے پہلے اپنے دل کو تسلی دینے حضرت لطیفیؒ کے مزار پر پہنچا اور فاتحہ پڑھ کر ان ہی کے بتائے ہوئے طریقہ پر کشف قبر کا عمل کیا اور پھر نتیجہ کے طور پر ایک اطمینان اور مسرت کا جذبہ دل میں پیدا ہوا، جس کو میں نے اپنے پروگرام کی حمایت میں ایک مثبت اشارہ پایا اور میں پروگرام میں مصروف ہوگیا۔ میں دیوبند جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا بلکہ ریاست ٹونک کے پایہ تخت شہر ٹونک جانے کا تھا۔ وہاں مولوی اسحاق علمی کانپوری بن مولانا غلام یحییٰ صاحب صدر مدرس الٰہیات تھے یہ میرے ساتھی دوست اور استاذ بھی تھے انہوں نے شروع میں دیوبند میں پڑھا تھا پھر وہ جب مدرسہ الٰہیات کے معیار پر پہنچے تو یہاں آ گئے بعض کتابوں میں میرے ساتھی اکثر میں آگے تھے مجھ سے پہلے فارغ ہوکر دارالعلوم دیوبند سے فاضل کیا اور اب وہ ٹونک کے مدرسہ میں مدرس تھے میرا ارادہ تھا کہ ان کے ساتھ رہ کر مطالعہ کروں گا اور مشکل مقامات ان سے حل کراؤں گا، وہاں گیا تو انہوں نے کہا کہ یہاں کے لوگ خاصے اجڈ ہیں اور میں خود کچھ دنوں بعد علی گڑھ طبیہ کالج پڑھنے کو جا رہا ہوں آپ اکیلے یہاں نہیں رہ سکیں گے۔ ایک دفعہ فارغ ہو چکے ہیں کسی مدرسہ میں دوبارہ پڑھنے جایئے گا تو آپ کو تسلی نہ ہوگی سوائے دارالعلوم دیوبند کے وہاں اعلیٰ درجہ کے قابل علماء کتابوں کے مصنف اور شارح ہیں۔ وہیں آپ کو تسلی ہو سکے گی۔ لیکن چونکہ میں آزاد خیال تھا میں نے کہا وہاں کے لوگ بہت دقیانوسی ہیں خاص کٹنگ کے کپڑے پہننے پر مجبور کریں گے جو مجھ سے برداشت نہ ہوگا، انہوں نے کہا کہ آپ کو غلط خبر ملی ہے وہاں ہر طرح کے لوگ ہیں آپ کے لئے یہی صورت ممکن ہے، وہاں مولوی عبدالجلیل قنوجی ہیں جن سے آپ واقف ہیں وہ آپ کی نہ صرف رہنمائی کریں گے بلکہ آپ کا استقبال بھی کریں گے۔ میں ان کو خط لکھ دیتا ہوں وہ اسٹیشن پر آپ کو ملیں گے۔ مرتا کیا نہ کرتا اتنا طویل سفر کرنے کے بعد کوئی صورت نہ نکلنے کی صورت میں نہ صرف ایک ہی

صورت سامنے تھی، گھر سے تو بھاگ آیا تھا جاتا تو کہاں جاتا مجبوراً دیوبند کا ارادہ کر لیا۔ دیوبند اسٹیشن قریب آرہا تھا سامان سمیٹ مستعد ہو کر بیٹھا اور اسٹیشن کا بورڈ نظر آیا اردو میں دیوبند جلی حروف میں لکھا تھا عجیب وحشت سی ہوئی۔ ٹرین سے اترا تو جناب حیرت کی بات یہ کہ یہاں حضرت لطیفیؒ میرے استقبال کو موجود تھے۔ ''کیسی بہکی بہکی بات آپ کر رہے ہیں''؟ آپ کہیں گے لیکن یہ صرف انداز بیان ہے لیکن صرف نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت بھی ہے وہ یہ کہ مولوی عبدالجلیل قنوجی فاضل دیوبند اپنے دوست دیوبند کے ساتھی مولوی اسحاق علمی سے ملنے کانپور آئے تھے یہ ۱۹۳۷ء کی بات ہے کچھ ہی دنوں پہلے مولوی اسحاق علمی میرے اور مولوی یحییٰ (جو ان کے ساتھی تھے) کے ساتھ بہار آئے اور میرے ان کے یہاں ایک ماہ رہ کر واپس گئے اور اپنے نئے تجربے اپنے ملنے والوں کو بتاتے تھے کہ کس طرح زندگی میں پہلی دفعہ گھوڑ سواری کی اور اس پر لمبا سفر بھی کیا اور زندگی میں پہلی دفعہ ہاتھی پر ۱۲ میل برات گئے آئے اور یہاں کی ہریالی کا تذکرہ کرتے تھے۔ مولوی عبدالجلیل سے بھی تذکرہ کیا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ ضلع پورنیہ گئے تو وہاں ایک گاؤں ہے رحمٰن پور ہے وہاں بھی گئے وہاں ایک بہت بڑے بزرگ مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ تھے جو بہت بڑے عالم اور فارسی کے بڑے شاعر بھی تھے تو علمی صاحب نے کہا کہ وہیں تو گئے تھے تو کہا کہ جانے کا سبب؟ تو بتایا کہ ان کا پوتا ہمارے مدرسہ میں پڑھتا ہے تو ان کو حیرت ہوئی اور مجھ سے ملاقات کا شوق ظاہر کیا اور ان سے ملاقات بھی ہوئی پتہ چلا کہ مولوی عیسیٰ فرتاب فاضل دیوبند مدن پور ارریہ کے رہنے والے دارالعلوم میں پڑھتے تھے فارسی اور اردو کے اچھے شاعر تھے قادرالکلام اتنے کہ امتحان کا پیپر بعض اوقات نظم میں لکھتے تھے ان کے پاس دیوان لطیفیؒ کتاب تھی اور عبدالجلیل صاحب نے ان سے یہ کتاب بہت شوق سے پڑھی اب مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے غرض مجھے دیوبند اسٹیشن پر لینے والے یہی تھے جو حضرت لطیفیؒ کے واسطے سے مجھ سے متعارف تھے تو گویا میں اس کو حضرت لطیفیؒ ہی کا فیض سمجھتا ہوں کہ ان ہی کے ذریعہ میرا استقبال کیا گیا جس کو میں نے اوپر ایک خاص انداز سے ذکر کیا۔

میرا قیام دیوبند میں تقریباً ۸ سال رہا وہاں میری روش آزاد تھی سیاست سے لگاؤ ذہنی طور پر رہا۔ ۱۹۴۲ء میں بھارت چھوڑو آندولن میں عملی طور پر سیاست میں آیا لیکن فرصت ہی کے دنوں میں دیہات کا دورہ کرتا رہا۔ اس عرصہ میں ایک بہت اہم اور خاص بات یہ ہوئی کہ مولانا عبیداللہ سندھی سے ملاقات ہوئی جو ایک زبردست انقلابی تھے۔ ہائی اسکول کی تعلیم ہی کے زمانہ میں سکھ سے مسلمان ہو گئے۔ پیدا سیالکوٹ میں ہوئے تھے اور سندھ گوٹھ پیر جھنڈا میں جا کر اسلام کا اعلان کیا اور پھر دارالعلوم دیوبند پہنچے یہ بے حد ذہین تھے جلد ہی فاضل پاس کرلیا چونکہ غیر مذہب سے اسلام قبول کیا تھا اس لئے اسلام کے احکام کی حکمت جاننے کی خواہش ان میں تھی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگرد تھے ان کی رہنمائی میں شاہ ولی اللہ کا مطالعہ کیا اس کے بہت ماہر اور شارح ہو گئے اور انگریزوں کے خلاف اپنے استاذ کی سرکردگی میں کابل گئے اور ریشمی رومال کی تحریک میں شریک رہے۔ انگریز حکومت نے ان کو جلاوطن قرار دیدیا ہند میں ان کا داخلہ منع ہو گیا اخیر میں مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے زیر سایہ یہ درس دیتے اور شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کی اشاعت کرتے تھے، آزادی سے پہلے ہند کی عارضی حکومت قائم ہوئی تو کانگریس، مسلم لیگ اور دوسری سیاسی جماعتوں کی متفقہ کوشش سے ان کی پابندی ختم ہوئی اور وہ ہندوستان تشریف لائے کراچی کے بندرگاہ میں تمام جماعتوں نے ان کا استقبال کیا وطن آ کر انہوں نے شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کا کافی پرچار کیا۔ میں مدرسہ الٰہیات میں شاہ صاحب کی اہم کتاب حجۃ اللہ پڑھ چکا تھا واقفیت تھی اس لئے ان کی باتیں بڑی دلچسپی سے سنتا تھا آخری سفر میں وہ ۱۱ دن دارالعلوم کے ہاسٹل میں اپنے نواسے عبیداللہ انور بن مولانا احمد علی لاہوری اور میرے ساتھی کے کمرے میں رہے میں خالی اوقات میں ان سے ملتا اور رات کو قریب آدھی رات ان کے پاس بیٹھتا تھا ان کی باتیں اتنی گرم جوشی کی ہوتی تھیں کہ واپسی کے بعد بستر پر لیٹتا تھا تو پسینہ آتا تھا دیر تک لحاف اوڑھ نہیں سکتا تھا۔ اب شاہ صاحب کے فلسفہ کا مطالعہ نئے انداز میں شروع کیا اور ذہن کافی وسیع اور آزاد ہو گیا اور میں اپنے کو ولی اللٰہی لکھنے لگا۔ قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی

بات کسی کے ذریعہ مجھ تک پہنچی کہ وہ قاسمی کیوں نہیں لکھتا میں نے کہا کہ جس طرح قاسمی لکھنے والے حنفی ہیں مگر خود کو نعمانی نہیں لکھتے اسی طرح میں فاضل دیوبند ہوں تو قاسمی ہوں ولی اللّٰہی لکھنے سے قاسمی کی نفی نہیں ہوتی اور یہ کہ میں محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی قائم کر کے ولی اللّٰہی فلسفہ کا مطالعہ کرتا کراتا ہوں۔ مولانا سندھی مشینی دور میں یوروپین ازم کے قائل تھے کہ مسلمان مشین سے تعلق قائم کریں اور یوروپین لباس پہنیں۔ اور فوجی بن جائیں کہ وقت کا تقاضا یہی ہے۔ دیوبند کے علماء نے ان کی مخالفت کی لیکن آزادی کے بعد جو ملک کے حالات بدلے تو ہمارے استاذ مولانا حسین احمد مدنی سے لوگوں نے شکایت کی کہ دارالعلوم میں فوجی ٹریننگ ہوتی ہے لڑکے ہاف پینٹ پہنتے ہیں۔ اس زمانہ میں یوپی سرکار کے کیمپ میں سرکار کے خرچ پر فوجی ٹریننگ لے کر معاہدہ کے مطابق دارالعلوم میں طلبہ کو فوجی ٹریننگ بحثیت اعزازی کمانڈر دے رہا تھا۔ مولانا مدنی نے دارالحدیث میں سبق کے بعد حسب دستور سوالات کی پرچیوں کے جوابات دیتے ہوئے فرمایا: ''اب وہ زمانہ آیا ہے کہ ہر مسلمان فوجی بنے اور فوجی لباس پہنے۔ آپ لوگ ٹخنوں تک لمبا کرتا پہنتے ہیں بھگدڑ مچے تو بھاگتے ہوئے اپنے دامنوں میں الجھ الجھ کر منہ کے بل گریں گے''۔ (میرے دوستوں نے سبق سے آکر مجھ سے یہ بات بتائی تو میں نے اپنی ڈائری میں یہ بات لکھ لی ساتھ ہی یہ نوٹ لکھا کہ یہی بات مولانا عبداللہ سندھی نے کلکتہ کے اجلاس میں جمعیۃ علماء میں کہی تھی تو مولانا مدنی نے ان کی مخالفت کی تھی اور دس سال بعد مولانا مدنی یہی بات کہہ رہے تھے۔

رہی میری بات تو میری روش یہاں کے عام ماحول سے الگ تھی اس حد تک کہ دورۂ حدیث کی کلاس میں فل پینٹ اور کوٹ پہن کر جاتا تھا مگر کسی نے مجھے ٹوکا نہیں اور پھر ۱۹۴۷ء میں فارغ ہونے کے بعد جب کورس سے اوپر اعلیٰ کتابیں حکمت دین کی پڑھ رہا تھا۔ اخیر سال میں ملیٹری ٹریننگ لی اور جب ۱۹۴۹ء میں گھر واپس آیا تو فوجی لباس ہی میں یہاں وہاں جاتا آتا تھا۔ لوگوں کے اعتراضات سے بے نیاز۔ قیام دیوبند میں دو واقعات ایسے ہیں جن کا

تذکرہ میری روش سمجھنے میں مفید ہوگا۔ ۱۹۴۸ء میں میں نے ایک مضمون لکھا دور رسالت میں ادب و شعر کی ایک جھلک۔ یہ مضمون میرے دوست مولانا عزیز احمد قاسمی جامعی و فاضل دیوبند (ان دنوں میں مرکزی جمیعۃ الطلبہ دارالعلوم دیوبند کا نائب صدر تھا مولانا عزیز صاحب تنخواہ دار سکریٹری تھے ۴ شعبے تھے ۱۔ تقریر ۲۔ تحریر ۳۔ مطالعہ ۴۔ مباحثہ ہر ایک کے ناظم ایک ایک اور دو دو نائب ناظم تھے ان ۴ شعبوں کی نگرانی اور رہنمائی میرے ذمہ تھی مولوی سالم بن مہتمم ناظم تقریر اور مولوی اسعد مدنی بن مولانا مدنی ناظم مطالعہ تھے۔) نے قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کو دکھایا تو انہوں نے اس کے خلاف ایک مضمون لکھا اور عزیز صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں یہ مضمون دوبارہ لکھوں اس طرح کہ اعتراضات باقی نہ رہیں۔ میں نے کہا میں اس پر دوبارہ غور کرنے کو تیار نہیں نہ اس سے پیچھے ہٹنے کو تیار ہوں آپ رسالہ دارالعلوم میں اس کو نہ چھاپیں مجھے پروا نہیں لیکن میرا مشورہ ہے کہ آپ میرا اور مہتمم صاحب کا مضمون ایک ساتھ دارالعلوم میں شائع کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جب رسالہ چھپا تو دارالعلوم کے استاذوں نے میری حمایت کی اور کہا کہ مہتمم صاحب نے خواہ مخواہ مخالفت کی۔ (۲) میں نے ولی اللٰہی حکمت کی روشنی میں مضمون لکھا ''بین الاقوامی نبی کا منصب'' میں کسی استاذ کو اپنا مضمون نہیں دکھاتا تھا لیکن عزیز صاحب چونکہ بی. اے جامعہ اور فاضل دیوبند تھے ان کو یہ نئے انداز کا مضمون بہت پسند آیا اور مہتمم صاحب کو دکھایا تو میرے ۱۵ صفحات کے مضمون کے خلاف ۲۵ صفحات کی تنقید انہوں نے لکھ ڈالی اور مجھ سے کہا گیا کہ دوبارہ اس کو لکھو کہ یہ اعتراضات دور ہو جائیں میں نے کہا کہ قاری صاحب کو معلوم نہیں کہ میں کہاں سے کیا کہہ رہا ہوں انہوں نے میری تردید نہیں نہیں کی بلکہ اپنے دادا مولانا قاسم نانوتوی اور شاہ ولی اللہ کی تردید کی ہے میں اپنی بات سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں۔ عزیز صاحب اس مضمون کو بہت اچھا اور اہم سمجھتے تھے اس لئے وہ بے چین ہو گئے اور اس کو لے کر مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ کو دے آئے اور انہوں نے دوبار غور سے اس کو پڑھا اور تعریف کے ساتھ اپنی رائے لکھی اور یہ کہ یونیورسٹی کے

فضلا اگر اس طرح کی کوئی نمونہ پیش کرتے ہیں تو ان کو مخصوص ڈگریاں دی جاتی ہیں میں اس سے تو عاجز ہوں لیکن دعاء سے عاجز نہیں۔ اور یہ کہ۔ اس قسم کی تصانیف کا شیوع ان سے زیادہ سے زیادہ ہو۔ آمین۔ اس رائے سے (وہ بھی ایسے شخص کی رائے جو رائے دینے میں بہت بخیل مانے جاتے تھے اور یہ میرے اور مہتمم صاحب کے بھی استاذ تھے۔) میں اپنی رائے پر اور مضبوطی سے جم گیا۔ پھر دس سال بیت گئے تو مولوی ضمیر الاسلام ولی اللّٰہی کا خط میرے نام آیا یہ ان دنوں دیوبند میں پڑھتے تھے اور مضمون نگاری اور فوجی ٹریننگ میں میرے شاگرد تھے وہ میرا مضمون اور مہتمم صاحب کی تنقید پڑھ چکے تھے۔ لکھا تھا دس سال بعد مہتمم صاحب اس علاقہ میں آئے اور سیرت پر تقریر کی اور وہی سب باتیں کہیں جو آپ لکھ چکے تھے میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ میں نے جواب میں لکھا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں دس سال پہلے جہاں پہنچا تھا وہاں قاری صاحب دس سال بعد پہنچے بات یہ کہ اس دوران انہوں نے یورپ، امریکہ کا سفر کیا نئے ممالک کو دیکھا، نئے تقاضے کو سمجھنے کا موقع ملا۔ تو نقطہ نظر بدلا۔

میری روش رہی ہے کہ کھلے ذہن سے غیر جانبدار ہو کر تعصب سے دور تحقیق کر کے حق بات جو سمجھتا ہوں وہ لکھتا ہوں میں نے اپنی کتاب ''اقبال کا فلسفۂ حیات'' (یہ میرے بی۔اے فائنل کا مقالہ ہے) میں ایک باب لکھا ہے ''متحدہ قومیت اور اسلام'' اس موضوع پر علامہ اقبال اور مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے درمیان زبردست بحثیں چلی تھیں اور ایک نزاع کی صورت پیدا ہو گئی تھی اس سلسلہ میں کچھ غلط فہمیاں تھیں۔ بعد کو کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر صلح کرا دی۔ اب میں جو مولانا مدنی کا شاگرد اور ساتھ ہی اقبال کا عقیدتمند رہا ہوں میرا اس پر لکھنا بڑی آزمائش کا کام تھا لیکن میں نے کھلے ذہن سے دونوں کے خیالات کا جائزہ لیا اور ایمان داری سے دونوں کے موقف کی وضاحت کی۔ اس کے علاوہ میں نے ایک مضمون لکھا۔ ''منصب رسالت'' اس میں مولانا ادریس کاندھلوی سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی دونوں کی مخالفت کی اور ایک مضمون مولانا اخلاق حسین قاسمی

فاضل دیوبند کے خلاف لکھا۔ انہوں نے ایک مضمون میں اس بات کی مخالفت کی تھی کہ شیطان آدمی کو راہ بھٹکا سکتا ہے میں نے قرآن وحدیث کے حوالوں سے یہ ثابت کیا کہ شیطان نے تو بھٹکانے کا پروانہ تخلیق آدم کے وقت ہی سے حاصل کرلیا ہے۔

آپ کہیں گے کہ کہاں تو چلے تھے مولانا حفیظ الدین کا تعارف کرانے اور لے بیٹھے اپنی رام کہانی۔تو جناب یہ بہت ضروری ہے اس لئے کہ آپ محسوس کرسکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ میرا طریقہ اور رویہ کیا ہے تاکہ میری تحریر کی قدرو قیمت آپ متعین کرسکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ میں حق کا طرفدار ہوں نہ خواہ مخواہ کسی کی حمایت نہ خواہ مخواہ کسی کی مخالفت کرتا ہوں۔

حضرت لطیفیؒ کی کتابیں بچپن ہی سے جمع کرتا رہا اور پڑھتا بھی رہا اور اس وقت حضرت لطیفیؒ کی کتابیں جس کا ذکر میں کرچکا ہوں جتنی میرے پاس ہیں شاید ہی کسی کے پاس ہوں۔ساتھ ہی ان کتابوں سے شغف ان کی افادیت اور پیغام صلح کل کو عام کرنے کے لئے میں نے حضرت لطیفیؒ کے تعارف کے طور پر انسان اخبار سے پورنیہ نمبر میں ایک مضمون شائع کرایا تھا جس میں ان کے مختصر حالات اور تصنیفات کا تذکرہ کیا اور اپنے مدرسہ لطیفیہ خانقاہ رحمٰن پور کے ساتویں درجہ میں میں نے تصانیف لطیفیؒ کا مختصر منتخب حصہ پڑھانا شروع کیا اور پھر دارالعلوم لطیفیؒ میں بھی یہ سلسلہ شروع کرایا اور پہلا سبق میں نے پڑھایا۔

یہ تین کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، مکتوبات لطیفیؒ، لطائف حفظ السالکین اور دیوان لطیفیؒ۔ علاوہ بریں میں نے ''تلک عشرۃ کاملہ'' کا اردو ترجمہ فارسی سے کیا اور ''لطائف حفظ السالکین'' کا اردو میں ترجمہ کیا اور کچھ حاشیے بھی لکھے اور اس پر ایک مقدمہ لکھا جس میں تصوف کی تعریف بیعت کا ثبوت قرآن وحدیث سے اور مخالفین کے جوابات لکھے اور حضرت مولانا شاہ عون احمد قادری مرحوم خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے اس کا ایک اہم تعارف لکھوایا ان باتوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت لطیفیؒ کی تعلیمات سے میرا کیا تعلق رہا ہے۔

یہ سب بیک گراؤنڈ (پس منظر) لکھنے کے بعد یہ لکھنا ضروری ہے کہ آخر میں نے یہ

زحمت کیوں گوارا کی اور ایک طویل مضمون لکھنے بیٹھ گیا آخر...... کیوں؟ وجہ یہ کہ حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ کا ایک مشن تھا جواب ختم ہوتا نظر آتا ہے غیر تو غیر اپنے گھر کے لوگ بھی ان کے مسلک اور تعلیمات کو بھول چکے ہیں اور اپنے اپنے خیال سے اپنی پسند اور مرضی کے مطابق ان کی تصویر بنانا چاہتے ہیں جو ان کی تعلیمات اور راہ سے الگ ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ واقف کار حضرات گذر چکے ہیں اب ایسا کوئی نظر نہیں آتا جو حضرت لطیفیؒ کو دیکھ چکا ہو اور پھر یہ کہ ان کی تین مشہور کتابوں کے سوا کسی اور کتاب کا کسی کے پاس موجود ہونے کا امکان بھی نظر نہیں آتا اس لئے میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اگر میں کچھ نہ لکھوں تو حضرت لطیفیؒ کی باتیں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گی اور ان کا مسلک صلح کل لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔

اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لئے ایک اور بات بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ کہ میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں کیوں مرید ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں دیوبند کی تعلیم کے زمانے میں ۱۹۴۴ء میں دہلی گیا وہاں درگاہ حضرت نظام الدین میں حضرت خواجہ حسن نظامی سے ملاقات ہوئی۔ ان کے متعلق الہٰ آباد کی تعلیم کے زمانے میں ان کے خلاف بہت کچھ سن چکا تھا کہ فراڈ ہیں خوشامدی ہیں لوگوں کو ٹھگتے ہیں، لیکن دیوبند میں ان کے خلاف کچھ نہیں سنا تھا۔ ان سے ملا، حلیہ یہ تھا بدن پر ڈھیلا ڈھالا کرتا ٹخنہ سے کچھ اوپر تک سر پر کاکل کندھوں تک سر پر گنبد نما ٹوپی بہت بے تکلفی سے ملے جس میں سادگی اور خلوص کا اظہار ہوتا تھا میں نے یقین کرلیا کہ یہ شخص فریبی ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پھر جب دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد دہلی جامعہ ملیہ اسلامیہ کالج میں پڑھنے گیا تو ان کے صاحبزادے میرے ساتھی ہوئے اور چند ہی دنوں میں پُر خلوص تعلق قائم ہوگیا اور پھر بار بار درگاہ میں ان کے یہاں جانا ہوا اور حضرت خواجہ صاحب سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اب جو ان کے حالات نزدیک سے دیکھنے سننے کا اتفاق ہوا تو میں ان کا معتقد ہوگیا۔
ان کے حالات یہ تھے

خواجہ صاحب ابھی کم عمر ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ خانقاہ کی آمدنی میں

ان کا جو حصہ تھا وہ اتنا کافی تھا کہ وہ اچھی خوشحال زندگی بسر کر سکتے تھے لیکن باپ کی وصیت پر اپنا حصہ چھوڑ دیا اور محنت سے روزی کمانے لگے۔ بچے تھے کوئی محنت مزدوری کے لائق نہیں تو درگاہ کے دروازہ پر جوتوں کی نگرانی کر کے جو آمدنی ہوتی اس سے اپنی والدہ، بہن اور اپنی پرورش کرتے۔ پھر بڑے ہوئے تو کتابیں پیٹھ پر لاد کر بیچنے لگے پھر لکھنا شروع کیا تو صاحب طرز انشا پرداز ہوئے اور کتابوں سے کمائی ہونے لگی۔ درمیان میں پڑھتے بھی رہے اور محنت کی کمائی کھاتے رہے جس میں اللہ نے برکت دی۔ غرض بہت بے لوث صاف گو (مگر خوبصورت انداز میں) پھر پیر اور مبلغ بنے غرض یہ کہ حسن ثانی نظامی کے ذریعہ میں نے خواجہ صاحب کو اچھی طرح سمجھا اور اس درگاہ سے میرا خصوصی تعلق ہو گیا۔ ماشاء اللہ خواجہ صاحب کی سب اولاد بھی نیک ذہین محنتی اور فعال ہیں۔

۱۹۶۳ء کی بات ہے کہ حسن ثانی نظامی نے اپنے پیر بھائی فیاض الدین نظامی (چیف آرکیٹک اینڈ ٹاون پلانر، آندھرا پردیس) کے ساتھ مل کر قرآن شریف کو انگریزی حروف میں نقل کرنے اور اس کا ترجمہ انگریزی تحقیق کر کے درج کرنے کے لئے ماہنامہ منادی میں اشتہار دے کر مشورے مانگے۔ میں نے طویل خط میں کام کا طریقہ لکھ بھیجا تمام خطوط میں میرا خط پسند آیا۔ حسن بھائی نے مجھے فوراً بلایا اور میں جلد ہی درگاہ حضرت نظام الدین پہنچ گیا۔ یہ بھی نہیں پوچھا کہ تنخواہ کیا ملے گی؟ میں منادی کا نائب مدیر بھی تھا ''منادی'' ماہنامہ خواجہ صاحب زمانے سے نکالتے تھے مگر ضعیفی کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ میں نے کالج کے زمانہ میں حسن بھائی کو ابھارا کہ آپ ابھی خواجہ صاحب کی زندگی میں اور ان کی نگرانی میں نئے ڈھنگ سے رسالہ نکالئے اور خواجہ صاحب سے صحافت سیکھیے چنانچہ انہوں نے منادی کو دوبارہ جاری کر دیا جو ماشاء اللہ ابھی تک جاری ہے۔ میں وہاں قرآن شریف کے کام کے ساتھ منادی کے کام بھی کرتا رہا۔ اس طرح صحافت میں بالواسطہ میں خواجہ صاحب کا شاگرد ہو گیا۔ چنانچہ حضرت امیر خسرو نمبر منادی کا نکالا اور بعد کو بھی میرے مضامین منادی میں چھپتے رہے۔ اس کام کے سلسلہ میں میرا قیام دہلی

میں چار ماہ تک رہا اس درمیان ایک میٹنگ میں شرکت کے لئے حیدرآباد جانے کا اتفاق ہوا۔ اس لئے کہ ادارہ بیان القرآن (جس کے تحت یہ کام ہو رہا تھا) کے صدر فیاض الدین نظامی تھے اور صوبہ آندھرا کے تعمیرات کے اعلیٰ ذمہ دار اور نظام حیدرآباد کی پھوپھی زاد بہن کے شوہر تھے، ہم لوگ قریب ۷ا دن وہاں رہے۔ وہاں کام کے سلسلہ میں میٹنگ رہی۔ میٹنگ میں اہم شخص عبدالمعید خاں Ph.D فاضل مصر، صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد تھے اور آخری فیصلہ کا دارومداران ہی پر رکھا گیا تھا۔ لیکن دل چسپ بات یہ ہوئی کہ انہوں نے زوردار طریقہ پر اس کام کی مخالفت کی اور ناجائز ٹھہرایا۔ نتیجہ یہ کہ تمام ممبروں کے چہرے اتر گئے اور سب مایوس ہو گئے اب میں نے صدر کی اجازت سے دس منٹ میں نہایت ٹھوس منطقی دلیلوں سے اس کام کو جائز ثابت کیا ساتھ ہی مفید اور ضروری بھی اور ان کے تمام اعتراضات کے جوابات دیئے میری تقریر سے تمام ممبروں کے چہرے کھل اٹھے اور معید خان صاحب نے فراخ دلی سے میری بات مان لی اس کے بعد کام کے سلسلے میں فیصلے ہوئے۔

درگاہ حضرت نظام الدین کے قیام کے زمانے میں مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تو حضرت نظام الدینؒ اور حضرت امیر خسروؒ کے مزارات پر فاتحہ کے لئے حاضر ہوتا اور کبھی کبھی درگاہ حضرت قطب صاحب میں بھی حاضری ہوئی۔ اسی زمانہ میں میں نے ایک خواب دیکھا۔ ایک عالیشان محل سنگ مرمر کا ہے۔ اس کے ہال میں جانے کے لئے سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر چڑھ کر بہت سی سیڑھیاں طے کر کے جانا پڑتا ہے وہاں دو آدمی مجھے میرے بازو پکڑ کر اوپر ہال کی طرف لے جا رہے ہیں۔ پھر دیکھا کہ ایک نہایت روشن شکل سفید ریش بزرگ اوپر سے نیچے آ رہے ہیں ان کو بھی دو آدمی سہارے دے کر لا رہے ہیں میں قریب پہنچا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ حضرت قطب صاحبؒ ہیں میں نے ادب سے ان کو سلام کیا اور دونوں ہی رک گئے حضرت نے سلام کا جواب دیا اور ان دونوں آدمیوں سے مخاطب ہو کر ٹھہرے ہوئے لہجے اور صاف آواز میں فرمایا ''بہت دنوں پر ایک کام کے آدمی ہو پکڑ کر لائے ہو'' اتنا دیکھا تھا کہ بس آنکھ کھل گئی۔ صبح

ان کا جو حصہ تھا وہ اتنا کافی تھا کہ وہ اچھی خوشحال زندگی بسر کر سکتے تھے لیکن باپ کی وصیت پر اپنا حصہ چھوڑ دیا اور محنت سے روزی کمانے لگے۔ بچے تھے کوئی محنت مزدوری کے لائق نہیں تو درگاہ کے دروازہ پر جوتوں کی نگرانی کر کے جو آمدنی ہوتی اس سے اپنی والدہ، بہن اور اپنی پرورش کرتے۔ پھر بڑے ہوئے تو کتابیں پیٹھ پر لاد کر بیچنے لگے پھر لکھنا شروع کیا تو صاحب طرز انشا پرداز ہوئے اور کتابوں سے کمائی ہونے لگی۔ درمیان میں پڑھتے بھی رہے اور محنت کی کمائی کھاتے رہے جس میں اللہ نے برکت دی۔ غرض بہت بے لوث صاف گو (مگر خوبصورت انداز میں) پھر پیر اور مبلغ بنے غرض یہ کہ حسن ثانی نظامی کے ذریعہ میں نے خواجہ صاحب کو اچھی طرح سمجھا اور اس درگاہ سے میرا خصوصی تعلق ہو گیا۔ ماشاء اللہ خواجہ صاحب کی سب اولاد بھی نیک ذہین محنتی اور فعال ہیں۔

۱۹۶۳ء کی بات ہے کہ حسن ثانی نظامی نے اپنے پیر بھائی فیاض الدین نظامی (چیف آرکیٹک اینڈ ٹاون پلانر، آندھرا پردیس) کے ساتھ مل کر قرآن شریف کو انگریزی حروف میں نقل کرنے اور اس کا ترجمہ انگریزی تحقیق کر کے درج کرنے کے لئے ماہنامہ منادی میں اشتہار دے کر مشورے مانگے۔ میں نے طویل خط میں کام کا طریقہ لکھ بھیجا تمام خطوط میں میرا خط پسند آیا۔ حسن بھائی نے مجھے فوراً بلایا اور میں جلد ہی درگاہ حضرت نظام الدین پہنچ گیا۔ یہ بھی نہیں پوچھا کہ تنخواہ کیا ملے گی؟ میں منادی کا نائب مدیر بھی تھا ''منادی'' ماہنامہ خواجہ صاحب زمانے سے نکالتے تھے مگر ضعیفی کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ میں نے کالج کے زمانہ میں حسن بھائی کو ابھارا کہ آپ ابھی خواجہ صاحب کی زندگی میں اور ان کی نگرانی میں نئے ڈھنگ سے رسالہ نکالئے اور خواجہ صاحب سے صحافت سیکھیے چنانچہ انہوں نے منادی کو دوبارہ جاری کر دیا جو ماشاء اللہ ابھی تک جاری ہے۔ میں وہاں قرآن شریف کے کام کے ساتھ منادی کے کام بھی کرتا رہا۔ اس طرح صحافت میں بالواسطہ میں خواجہ صاحب کا شاگرد ہو گیا۔ چنانچہ حضرت امیر خسرو نمبر منادی کا نکالا اور بعد کو بھی میرے مضامین منادی میں چھپتے رہے۔ اس کام کے سلسلہ میں میرا قیام دہلی

میں چار ماہ تک رہا اس درمیان ایک میٹنگ میں شرکت کے لئے حیدرآباد جانے کا اتفاق ہوا۔ اس لئے کہ ادارہ بیان القرآن (جس کے تحت یہ کام ہورہا تھا) کے صدر فیاض الدین نظامی تھے اور صوبہ آندھرا کے تعمیرات کے اعلیٰ ذمہ دار اور نظام حیدرآباد کی پھوپھی زاد بہن کے شوہر تھے، ہم لوگ قریب ۱۷ دن وہاں رہے۔ وہاں کام کے سلسلہ میں میٹنگ رہی۔ میٹنگ میں اہم شخص عبدالمعید خاں Ph.D فاضل مصر، صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد تھے اور آخری فیصلہ کا دارومدار ان ہی پر رکھا گیا تھا۔ لیکن دل چسپ بات یہ ہوئی کہ انہوں نے زوردار طریقہ پر اس کام کی مخالفت کی اور ناجائز ٹھہرایا۔ نتیجہ یہ کہ تمام ممبروں کے چہرے اتر گئے اور سب مایوس ہوگئے اب میں نے صدر کی اجازت سے دس منٹ میں نہایت ٹھوس منطقی دلیلوں سے اس کام کو جائز ثابت کیا ساتھ ہی مفید اور ضروری بھی اور ان کے تمام اعتراضات کے جوابات دیئے میری تقریر سے تمام ممبروں کے چہرے کھل اٹھے اور معید خان صاحب نے فراخ دلی سے میری بات مان لی اس کے بعد کام کے سلسلے میں فیصلے ہوئے۔

درگاہ حضرت نظام الدین کے قیام کے زمانے میں مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تو حضرت نظام الدینؒ اور حضرت امیر خسروؒ کے مزارات پر فاتحہ کے لئے حاضر ہوتا اور کبھی کبھی درگاہ حضرت قطب صاحب میں بھی حاضری ہوئی۔ اسی زمانہ میں میں نے ایک خواب دیکھا۔ ایک عالیشان محل سنگ مرمر کا ہے۔ اس کے ہال میں جانے کے لئے سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر چڑھ کر بہت سی سیڑھیاں طے کر کے جانا پڑتا ہے وہاں دو آدمی مجھے میرے بازو پکڑ کر اوپر ہال کی طرف لے جا رہے ہیں۔ پھر دیکھا کہ ایک نہایت روشن شکل سفید ریش بزرگ اوپر سے نیچے آرہے ہیں ان کو بھی دو آدمی سہارے دیے ہوئے ہیں میں قریب پہنچا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ حضرت قطب صاحبؒ ہیں میں نے ادب سے ان کو سلام کیا اور دونوں ہی رک گئے حضرت نے سلام کا جواب دیا اور ان دونوں آدمیوں سے مخاطب ہوکر ٹھہرے ہوئے لہجے اور صاف آواز میں فرمایا ''بہت دنوں پر ایک کام کے آدمی پکڑ کر لائے ہو'' اتنا دیکھا تھا کہ بس آنکھ کھل گئی۔ صبح

میں نے یہ خواب حسن ثانی نظامی کو سنایا اور غور کرنے کے بعد صاف طور پر یہی سمجھ میں آیا کہ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں داخل ہو جاؤں اور میں نے فیصلہ کرلیا اور پھر آخر میں یہی ہوا۔

لطائف کے لطیفے

''لطائف حفظ السالکین'' حضرت لطیفیؒ نے اپنے مریدین متوسلین کی تعلیم کے لئے لکھی ہے اس لئے اس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

پہلا لطیفہ: نظری علم وحکمت نظری علم وحکمت کو اس لطیفہ میں بیان کیا گیا ہے۔ نظری علم وحکمت کا تعلق اعتقاد سے ہے اور عملی علم وحکمت جسمانی اور ظاہری کاموں سے تعلق رکھتے ہیں۔

دوسرا لطیفہ: اس میں وارث نبی ہونے کی شرط بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ علم دین حاصل کر کے خلوص نیت کے ساتھ علم کے مطابق عمل میں چست درست رہے۔

تیسرا لطیفہ: ولی کون ہے؟ اور اس کی شرطیں، اس میں بتایا گیا کہ اعتقاد صحیح کے ساتھ عمل میں خلوص اور شریعت میں جن باتوں سے منع کیا گیا ان سے پرہیز کرے اور جو کام کرنے کے ہیں ان کو خلوص نیت سے کرے یہاں تک کہ شریعت کے ادبوں کا بھی سختی سے خیال کرے۔

چوتھا لطیفہ: اس میں عارف اور معترف سے بحث کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ''ولی وہ شخص ہے جو اپنے حال کے اعتبار سے فانی (اور نیست) ہو اور حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں باقی رہے۔ اس کے لئے اپنے نفس کے متعلق خبر دینا ناممکن ہو اور اللہ کے غیر کے ساتھ اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی قرار نہ آئے۔ ان ہی باتوں کو تفصیل سے بتایا گیا ہے تفصیل کے لئے کتاب دیکھئے۔

پانچواں لطیفہ: اس میں شقی (بدبخت) سعید (نیک بخت) لوگوں کے بارے

میں اور صوفیوں کے مختلف گروہوں کے بارے میں، صوفیوں کے مقامات کے بارے میں باریک بحثیں ہیں تفصیل کے لئے کتاب دیکھیں۔

چھٹا لطیفہ: باریک بحث ہے اس بات پر کہ "توحید وجود کی تعلیم سالک کو مضر نہیں"۔

ساتواں لطیفہ: ذات خداوندی کی ظاہر ہونے کے مرتبے، روحوں کے بیان اور توحید کے چار مرتبوں کے بیان میں۔

آٹھواں لطیفہ: اس علم کے بیان میں جو علم فرض ہیں۔ سلوک کے لئے تین قسم کے علم لازم ہیں (۱) حقیقتوں کے اعتقاد کا علم ذات وصفات باری کی توحید وغیرہ اعتقادات میں سے (۲) ظاہری اور بدنی اعمال کا علم (۳) باطنی اور قلبی اعمال کا علم۔ اس کے بعد مولانا نے ضروری قرار دیا ہے کہ قرآن کا ترجمہ خود کر سکے اور حدیث کی کم از کم ایک کتاب پڑھ کر سمجھ لینا چاہیئے اور فقہ کی ایک ایسی کتاب جو نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے مسائل اور معاملات دنیاوی کاروبار سے متعلق کافی معلومات مہیا کرنے والی ہو پڑھنا ضروری ہے اور اس ضمن میں مولانا نے ضروری کتابیں بھی لکھ ڈالی ہیں۔ پھر اخیر میں لکھا ہے کہ اگر کسی مرید کے لئے اس کام کا انجام دینا دشوار ہو تو اس کو چاہیئے کہ ایک مدت تک ایسے شیخ کی خدمت میں جو عالم، سنت کا تابع، بدعت کا دفع کرنے والا اور مشاہدہ ومکاشفہ والا ہو حاضر رہ کر صحیح معرفت اور ذوق حاصل کرے۔

نواں لطیفہ: نماز سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کا بیان ہے۔ نماز میں حضور قلب کا بیان قرآن کے مقاصد تحیۃ الوضوء کا بیان اس میں ہے۔

دسواں لطیفہ: یہ پورا لطیفہ قرآن شریف پر ہے۔ اس کے ختم کی مدت اور آداب حضور قلب معانی پر غور، فہم کے حجابات اثر قبول کرنا تلاوت میں زبان، عقل ودل کا حصہ وغیرہ۔

گیارہوں لطیفہ: روزہ کی فضیلت نفلی روزے ایام بیض کا روزہ، دس محرم کا روزہ، رجب شعبان، ذی الحجہ کا روزہ، متبرک راتوں اور دنوں کا بیان اس میں ہے۔

بارہواں لطیفہ: اس میں سلوک میں مشغول ہونے کا وقت لکھا ہے یہاں اس کا

درج کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ ''جب مرید شریعت کے طریقہ پر درست ہو جائے اور حدود و احکام (شرعی) سے بال برابر تجاوز نہ کرے اور کھانے، پینے، پہنے، بولنے، سونے، چلنے اور گھربار کے دوسرے کاموں میں ضرورت کے مطابق کفایت کرے اور کبھی کسی فضول کام میں مشغول نہ ہو اور ظاہر فتویٰ سے تقویٰ کی حقیقت کی طرف رجوع کرے اور صوفیوں کے عقاید پر چست اور درست رہا کرے اور مدعیوں کی نکالی ہوئی بدعتوں سے بالکل پرہیز کرتا رہے تو البتہ اس کے سلوک کے کام (کے شروع کرنے) کا وقت پہنچے گا۔ اس کے بعد ذکر، مراقبہ وغیرہ کے بہت سے طریقے درج ہیں چلہ نشینی کی شرطیں بھی درج ہیں۔

تیرہواں لطیفہ: اس میں نقشبندی مشائخ کے کچھ کلمے اور طریقے درج کئے ہیں۔

چودہواں لطیفہ: اس میں ۱۲ وصیتیں ہیں مناسب ہے کہ ان کو مختصر طور پر بیان کر دیا جائے۔

(الف) ''مرید کو اپنے اور خدا کے درمیان اعتقاد کو درست ارادت کو پختہ اور ہمت کو بلند کرنا لازم اور واجب ہے اور یہ کہ مرید کو نہیں چاہیئے کہ صوفیوں کے مذہب کے خلاف کسی دوسرے کے مذہب کی طرف اپنی نسبت کرے''۔

(ب) مرید کو نہیں چاہیئے کہ کبھی شریعت کی حدوں سے تجاوز کرے اور اچھی طرح جان لے کہ جب تک شریعت کی بارگاہ سے اس پر کوئی شبہہ یا اعتراض باقی رہے تو سلوک کا کام اس کو کسی چیز یا مرتبہ تک نہیں پہنچا سکتا۔ یہاں تک کہ کوئی ہوا پر اڑتا ہوا نظر آئے تو اس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ جب تک کہ...... دیکھ لو کہ امر و نہی کے بجالانے میں اور حدود (شریعت) کی حفاظت اور احکام کی بجا آوری میں اس کو کیسا پاتے ہو۔

(ج) مرید کو نہیں چاہیئے کہ کسی حالت میں اور کسی آفت کی وجہ سے استقامت (راہ حق پر جم کر رہنا) کے دائرے سے باہر آئے۔

(د) چوتھی وصیت میں شریعت کے ادبوں کی حفاظت پر زور دیا گیا ہے۔

(ہ) مرید جان لے کہ ارادت (مرید ہونے) کی حقیقت کے ساتھ وہی متصف ہو سکتا ہے جس کے دل میں حق تعالیٰ کے سوا کسی دوسری چیز کا شوق اور خواہش نہ رہے۔

(و) مرید کو ایسے نوجوانوں کی صحبت سے جو سلوک و درویشی کے کام سے بے گانہ ہوں پرہیز کرنا چاہیئے اس لئے کہ اس قسم کی صحبت اس کے لئے سخت ترین آفت پیدا کرے گی۔

(ز) مرید کو ایسے لوگوں کی صحبت سے جو مشائخ کا لباس پہن کر ان کے بھیس میں ہیں اور لالچ، حسد، مال و مرتبہ کے طلب کی کان ہیں پرہیز کرنا اور دور رہنا ضروری ہے اس لئے کہ ان سے نزدیکی میں حق تعالیٰ سے بہت دوری ہے خوب سمجھ لو۔

(ح) مرید کو چاہیئے کہ اگر اچانک کسی محفل میں آئے تو صدر اور اونچی جگہ میں بیٹھنے کی رغبت نہ کرے۔

(ط) خدانخواستہ کوئی مرید اگر کسی جگہ کسی عہدہ یا مردوں یا عورتوں میں سے کسی کی محبت میں گرفتار ہو جائے اور چھٹکارہ کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو تو اس کو اس جگہ سے سفر کرنا لازم ہے۔

(ی) مرید کو وعدہ و پیان کی حفاظت خواہ خدا کے ساتھ ہو یا بندوں کے ساتھ نہایت ضروری ہے۔

(ک) مرید کو دنیا داروں کی صحبت سے دور رہنا ضروری ہے کیونکہ ان کی صحبت سے بڑی تاریکی اور غفلت پیدا ہوتی ہے۔

(ل) تم کو ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرنے، کھانا کم کرنے، گناہوں کے چھوڑنے، روزوں کی مداومت نماز کی ہمیشگی، ہمیشہ خواہش نفس کے ترک اور لوگوں کے ظلم برداشت کرنے اور بزرگوں صالحوں کی صحبت کی وصیت کرتا ہوں۔

اختلافی مسائل اور حضرت لطیفیؒ

حضرت لطیفیؒ خاندانی طور پر حنفی مسلک پر کاربند تھے، مگر ان کی آخری تعلیم مولانا نذیر حسین محدث دہلوی کے پاس ہوئی جس کا ذکر پہلے ہو چکا، اہل حدیث حضرات کا اختلاف کچھ مسائل میں مقلد حضرات سے ہے یعنی مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی چاروں کو وہ غلط مانتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ کسی شخص کی تقلید صحیح نہیں آدمی کو قرآن اور حدیث پر چلنا چاہیئے کسی ایک کو امام مان کر تمام مسئلوں میں ان کی پیروی کرنا ناجائز مانتے ہیں۔ اس لئے اب تین گروہ ہو گئے۔ (۱) اہل حدیث (۲) مقلد میں سے ایک دیوبندی طبقہ (۳) اور ایک بریلوی طبقہ۔ اس لئے حضرت لطیفیؒ کے مسلک کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تینوں طبقوں سے موازنہ کر کے ان کے مسلک کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

اہل حدیث سے اختلاف:

(۱) سب سے پہلا اختلاف اہل حدیث سے حضرت لطیفیؒ کا یہ ہے کہ اہل حدیث شخصی تقلید کو ناجائز مانتے ہیں اور مولانا حنفی مسلک کے پیرو تھے۔

(۲) وسیلہ: دعاء میں کسی نبی ولی یا کسی کا وسیلہ دینا اہل حدیث کے نزدیک ناجائز ہے صرف خدا کے رحم و کرم مغفرت کا وسیلہ جائز مانتے ہیں۔ حضرت لطیفیؒ وسیلہ کو درست اور دعاء کو قبولیت کے لئے عمدہ مانتے ہیں۔ علماء دیوبند بھی انبیاء، صدیقین، شہدا، صالحین خاص کر امام المرسلین حضرت محمد ﷺ کا وسیلہ دعاء قبول ہونے کے لئے بہتر مانتے ہیں یہی خیال بریلوی حضرات کا بھی ہے۔

(۳) پیری مریدی کو اہل حدیث ناجائز مانتے ہیں حضرت لطیفیؒ خود بہت بڑے پیر تھے۔ علمائے دیوبند چشتی صابر سلسلہ میں مرید ہوتے ہیں اور کافی مرید اور پیر اس طبقہ کے لوگ ہیں علمائے بریلی عموماً قادریہ سلسلہ میں پیری مریدی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اہل حدیث کے ساتھ حنبلی حضرات بھی بیعت (پیری مریدی) کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ بیعت قبول خلافت یا جہاد پر جانے کے لئے ثابت ہے اور صوفیوں کا بیعت کا طریقہ غلط ہے۔ میں نے اپنے مضمون دیباچہ لطائف حفظ السالکین میں قرآن حدیث سے ان دونوں موقعوں کے علاوہ بیعت کو ثابت کیا ہے، دین پر قائم پر رہنے، نوحہ نہ کرنے کسی سے نہ مانگنے پر۔

(۴) تصوف: کے سلسلہ میں صوفیوں کے ذکر کے طریقے ضربیں لگانا چلہ کشی وغیرہ کو اہل حدیث بدعت قرار دیتے ہیں جبکہ حنفی حضرات دیوبندی بریلوی دونوں تصوف کو مانتے ہیں میں نے اپنے مضمون لطائف کے دیباچہ میں ان طریقوں کو نفسیاتی علاج بتایا ہے اور یہ بدعت نہیں ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ بعض غلط کار لوگوں نے جوگیوں کی طرح جو رہبانیت اختیار کی یا اس کے حامی ہیں وہ غلط ہے یا جاہل صوفی جو توہم پرستی میں مبتلا ہیں اور شرعی احکام کا مذاق اڑاتے ہیں اور شریعت سے اس قدر بیگانہ ہو جاتے ہیں کہ نماز روزہ تک کے پابند نہیں یہ سب غلط ہیں اور حضرت لطیفیؒ نے اس طرح کے لوگوں کی سخت مخالفت کی ہے۔

(۵) تعویذ: اہل حدیث اور حنبلی حضرات تعویذ کے سخت مخالف ہیں ایک حاجی نے مجھ سے کہا کہ حج میں میرے گلے میں تعویذ لٹک رہا تھا ایک پولیس مین نے مکہ میں اس کو نوچ لیا اور بولا ''هٰذَا شِرْکٌ اللّٰه واحد'' یہ شرک ہے اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ یعنی تعویذ سے مدد لینا ان کے نزدیک شرک ہے۔ یہ غلط فہمی ان کو ہے وہ یہ کہ تعویذ تو دعاء ہے بلاؤں اور آفتوں سے حفاظت کے لئے خدا سے دعاء ہے یعنی کہ خدا کی پناہ میں آ کر آفتوں سے حفاظت کے لئے خدا سے دعاء ہے غیر خدا سے مدد اس میں مانگی ہی نہیں گئی۔ حضرت لطیفیؒ تعویذ دیتے تھے اہل حدیث اور حنبلی حضرات دعاء پڑھ کر پھونکنے (دم کرنے) مریض کو یا کسی چیز پر پھونک کر مریض کو استعمال کرانے کے قائل ہیں، لیکن لکھ کر لٹکانے کو ناجائز کہتے ہیں۔ میں نے ایک طویل مضمون میں جو ابھی چھپا نہیں اس مسئلہ سے بحث کی ہے۔ تعویذ لغت کے اعتبار سے تعویذ قرآن میں اور حدیث میں ثابت کرتے ہوئے اس کا سائنٹفک فائدہ بتایا ہے۔

اختلافی مسائل اور حضرت لطیفیؒ

حضرت لطیفیؒ خاندانی طور پر حنفی مسلک پر کاربند تھے، مگر ان کی آخری تعلیم مولانا نذیر حسین محدث دہلوی کے پاس ہوئی جس کا ذکر پہلے ہو چکا، اہل حدیث حضرات کا اختلاف کچھ مسائل میں مقلد حضرات سے ہے یعنی مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی چاروں کو وہ غلط مانتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ کسی شخص کی تقلید صحیح نہیں آدمی کو قرآن اور حدیث پر چلنا چاہئے کسی ایک کو امام مان کر تمام مسئلوں میں ان کی پیروی کرنا ناجائز مانتے ہیں۔ اس لئے اب تین گروہ ہو گئے۔ (۱) اہل حدیث (۲) مقلد میں سے ایک دیوبندی طبقہ (۳) اور ایک بریلوی طبقہ۔ اس لئے حضرت لطیفیؒ کے مسلک کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تینوں طبقوں سے موازنہ کر کے ان کے مسلک کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

اہل حدیث سے اختلاف:

(۱) سب سے پہلا اختلاف اہل حدیث سے حضرت لطیفیؒ کا یہ ہے کہ اہل حدیث شخصی تقلید کو ناجائز مانتے ہیں اور مولانا حنفی مسلک کے پیرو تھے۔

(۲) وسیلہ: دعاء میں کسی نبی ولی یا کسی کا وسیلہ دینا اہل حدیث کے نزدیک ناجائز ہے صرف خدا کے رحم و کرم مغفرت کا وسیلہ جائز مانتے ہیں۔ حضرت لطیفیؒ وسیلہ کو درست اور دعاء کو قبولیت کے لئے عمدہ مانتے ہیں۔ علماء دیوبند بھی انبیاء، صدیقین، شہدا، صالحین خاص کر امام المرسلین حضرت محمد ﷺ کا وسیلہ دعاء قبول ہونے کے لئے بہتر مانتے ہیں یہی خیال بریلوی حضرات کا بھی ہے۔

(۳) پیری مریدی کو اہل حدیث ناجائز مانتے ہیں حضرت لطیفیؒ خود بہت بڑے پیر تھے۔ علمائے دیوبند چشتی صابر سلسلہ میں مرید ہوتے ہیں اور کافی مرید اور پیر اس طبقہ کے لوگ ہیں علمائے بریلی عموماً قادریہ سلسلہ میں پیری مریدی کا سلسلہ جاری رکھے ہوتے ہیں۔

اہل حدیث کے ساتھ حنبلی حضرات بھی بیعت (پیری مریدی) کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ بیعت قبول خلافت یا جہاد پر جانے کے لئے ثابت ہے اور صوفیوں کا بیعت کا طریقہ غلط ہے۔ میں نے اپنے مضمون دیباچہ لطائف حفظ السالکین میں قرآن حدیث سے ان دونوں موقعوں کے علاوہ بیعت کو ثابت کیا ہے، دین پر قائم پر رہنے، نوحہ نہ کرنے کسی سے نہ مانگنے پر۔

(۴) تصوف: کے سلسلہ میں صوفیوں کے ذکر کے طریقے ضربیں لگانا چلہ کشی وغیرہ کو اہل حدیث بدعت قرار دیتے ہیں جبکہ حنفی حضرات دیوبندی بریلوی دونوں تصوف کو مانتے ہیں میں نے اپنے مضمون لطائف کے دیباچہ میں ان طریقوں کو نفسیاتی علاج بتایا ہے اور یہ بدعت نہیں ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ بعض غلط کار لوگوں نے جوگیوں کی طرح جو رہبانیت اختیار کی یا اس کے حامی ہیں وہ غلط ہے یا جاہل صوفی جو توہم پرستی میں مبتلا ہیں اور شرعی احکام کا مذاق اڑاتے ہیں اور شریعت سے اس قدر بیگانہ ہو جاتے ہیں کہ نماز روزہ تک کے پابند نہیں یہ سب غلط ہیں اور حضرت لطیفیؒ نے اس طرح کے لوگوں کی سخت مخالفت کی ہے۔

(۵) تعویذ: اہل حدیث اور حنبلی حضرات تعویذ کے سخت مخالف ہیں ایک حاجی نے مجھ سے کہا کہ حج میں میرے گلے میں تعویذ لٹک رہا تھا ایک پولیس مین نے مکہ میں اس کو نوچ لیا اور بولا ''هٰذَا شِرْكٌ اللّٰه واحد'' یہ شرک ہے اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ یعنی تعویذ سے مدد لینا ان کے نزدیک شرک ہے۔ یہ غلط فہمی ان کو ہے وہ یہ کہ تعویذ تو دعاء ہے بیماریوں اور آفتوں سے حفاظت کے لئے خدا سے دعاء ہے یعنی کہ خدا کی پناہ میں آکر آفتوں سے حفاظت کے لئے خدا سے دعاء ہے غیر خدا سے مدد اس میں مانگی ہی نہیں گئی۔ حضرت لطیفیؒ تعویذ دیتے تھے اہل حدیث اور حنبلی حضرات دعاء پڑھ کر پھونکنے (دم کرنے) مریض کو یا کسی چیز پر پھونک کر مریض کو استعمال کرانے کے قائل ہیں، لیکن لکھ کر لٹکانے کو ناجائز کہتے ہیں۔ میں نے ایک طویل مضمون میں جو ابھی چھپا نہیں اس مسئلہ سے بحث کی ہے۔ تعویذ لغت کے اعتبار سے تعویذ قرآن میں اور حدیث میں ثابت کرتے ہوئے اس کا سائنٹفک فائدہ بتایا ہے۔

(۶) حیات النبی ﷺ: یہ بھی ایک اہم اختلافی مسئلہ ہے۔ اہل حدیث حضرات کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اس وقت زندہ نہیں ہیں اور قرآن حکیم سے ان کی وفات کو ثابت کرتے ہیں ''کل نفس ذایقة الموت'' ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ لیکن علمائے دیوبند اور بریلی یہ مانتے ہیں کہ قرآن کی آیت کے مطابق حضور پر موت طاری ہوگئی اور اس دنیا سے انہوں نے پردہ کرلیا اور دفن کردیئے گئے لیکن اس کے بعد ہی ان کو دوسری زندگی عنایت کی گئی یہ نئی زندگی کیسی ہے اس کی کیفیت نہیں معلوم خدا ہی جانتا ہے یا خود حضور ﷺ جانتے ہیں اس موضوع پر مولانا قاسم نانوتوی بانئی دارالعلوم دیوبند کی کتاب ''آب حیات'' ہے جس میں عقلی طور پر حضور ﷺ کی اس زندگی کو ثابت کیا ہے جو دنیا سے پردہ کرنے کے بعد آپ کو حاصل ہے اور ان کے پوتے قادری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو پاکستان جانا پڑا یہ بتانے کے لئے کہ حضور ﷺ اب بھی زندہ ہیں وہاں اہل حدیث حضرات نے اس کے خلاف تحریک چلا رکھی تھی جس سے کچھ حنفی فاضل دیوبند متاثر ہو رہے تھے اور مہتمم صاحب نے اس مسئلہ کو اپنے دادا جان کے بیان کی روشنی میں سمجھا کر فاضلین دیوبند کو مطمئن کردیا۔

حیرت کی بات تو یہ کہ اہل دیوبند حیات نبی ﷺ کے قائل ہیں مگر مخالفین ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ قائل نہیں۔

(۷) جن کے متعلق: اہل حدیث جنات کے وجود کو مانتے ہیں لیکن یہ نہیں مانتے کہ یہ آدمی پر مسلط ہو جاتے ہیں اور دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ قرآن میں ہے کہ جو مومن کامل ہیں ان پر جن (شیطان) کا بس نہیں چل سکتا۔ یہاں غلط فہمی یہ ہے کہ جب ابلیس کو مردود بارگاہ قرار دیا گیا تو اس نے خدا سے مہلت مانگی اور کہا کہ میں اولاد آدم کو بھٹکاتا رہوں گا اس پر خدا کی طرف سے کہا گیا کہ تمہارا بس کامل مومنوں پر نہیں چلے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کامل مومنوں کو بھٹکا کر غلط راہ پر نہیں ڈال سکتے نہ یہ کہ تم ان کو ستا نہیں سکتے اور انسانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ایک جن نے کہا میں پلک

جھپکتے ملکۂ صبا کا تخت لے آؤں گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ پلک جھپکتے ایک جن ملکہ صبا کا تخت شاہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہاں لے آیا۔ ایک حدیث سے ثابت ہے کہ ایک صحابی میدان جنگ سے کسی کام سے تھوڑی دیر کے لئے اپنے گھر آئے دیکھا کہ ان کے تکئے کے پاس ایک کالا ناگ بیٹھا ہے ان کے ہاتھ میں نیزہ تھا انہوں نے سانپ پر حملہ کیا اور سانپ بھی اچھلا اور صحابی کو کاٹ لیا اور وہ خود بھی زخمی ہو گیا اور دونوں ہی مر گئے حضور ﷺ کو جب خبر ملی فرمایا کہ وہ سانپ جن تھا۔ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ جن سانپ کے ڈسنے سے صحابی شہید ہو گئے۔

بہر حال اہل حدیث کے برخلاف حضرت لطیفیؒ یہ مانتے تھے کہ جن آدمی کو ستاتا ہے اور وہ جن کے بھگانے کا کام بھی کرتے تھے اور یہ مسلک دیوبند اور بریلی دونوں طبقوں کا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات کو وہ جن کو پڑھاتے بھی تھے۔

(۸) دیہات میں جمعہ: اہل حدیث کے نزدیک دیہات میں بھی جمعہ جائز ہے۔ حنفی و شافعی حضرات ایسے گاؤں میں جمعہ جائز کہتے ہیں جہاں کے باشندے کم از کم ۴۰ ایسے موجود ہوں جن پر جمعہ واجب ہے۔ حنفی علماء دیوبندی بریلوی دونوں جمعہ کے لئے شہر کا ہونا ضروری مانتے ہیں۔ لیکن مولانا حفیظ الدین رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے پہلے لکھنؤ والے جن کا ذکر شروع میں ہوا دیہاتوں میں جمعہ قائم کرتے اور چند گاؤں کو ملا کر عید گاہ قائم کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ مہشپور اتر دیناج پور میں جبکہ وہاں ایک خاندان آباد تھا مسلمانوں کا جہاں میری پھوپھی کی شادی ہوئی تھی گنے چنے لوگ تھے کچھ فاصلہ پر سنتھالی اور دیسیا برادری کے ہندو آباد تھے وہاں حضرت لطیفیؒ نے جمعہ قائم کیا میں جب وہاں جاتا تھا تو ظاہر ہے اس وقت دونوں گھرانوں کی آبادی بڑھ چکی تھی پھر بھی ۴۰ آدمی گاؤں میں ایسے نہ تھے جن پر جمعہ واجب ہو۔ اس معاملہ میں مولانا لطیفیؒ کا مسلک اہل حدیث سے قریب تھا۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں میرے نزدیک صحیح ترین بات یہ ہے کہ اقل (سب

سے کم) حد یہ ہے کہ جس پر قریہ کا اطلاق ہو وہاں جمعہ صحیح ہے..... حضور ﷺ نے فرمایا ۵۰ آدمیوں سے قریہ بن جاتا ہے..... یہ بات کہ ۵۰ آدمی سے قریہ بن جاتا ہے اس میں یہ بات کہیں نہیں ہے کہ ۵۰ ایسے ہوں جن پر جمعہ واجب ہو بلکہ مرد، عورت بچے سب ملا کر جس گاؤں میں رہتے ہوں وہ قریہ ہے۔ علاوہ بریں حضرت ابن عمرؓ مکہ، مدینہ کے درمیان چھوٹی بستیوں میں لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے مگر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ غالباً یہی مسلک مولانا لطیفیؒ اور لکھنؤ والوں کا ہو۔ اور یہ عام حنفیوں کے خلاف ہے۔

(۹) رفع یدین کا مسئلہ: یعنی نماز میں دونوں ہاتھوں کو کندھے یا کانوں تک اٹھانا اہل حدیث اور تمام مقلد اس بات پر متفق ہیں کہ نماز شروع کرتے وقت کانوں یا کندھوں تک ہاتھ اٹھانا چاہئے، لیکن اہل حدیث اس کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں اور دوسری رکعت سے اٹھ کر تیسری رکعت شروع کرتے وقت بھی۔ حضرت لطیفیؒ حنفیوں کے مسلک کے مطابق صرف نماز کی پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔

(۱۰) قرأت فاتحہ امام کے پیچھے: یہ اہل حدیث وغیرہ کا مسلک ہے کہ وہ امام کے پیچھے امام کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری خیال کرتے ہیں، لیکن مولانا لطیفیؒ حنفیوں کے مسلک کے مطابق عمل کرتے تھے اور جہری قرأت میں امام کے پیچھے قرأت کو صحیح نہیں مانتے تھے۔

(۱۱) آمین زور سے کہنا: سورۂ فاتحہ نماز میں پڑھ کر آمین مد کے ساتھ زور سے اہل حدیث پڑھتے ہیں لیکن حضرت لطیفیؒ آہستہ پڑھتے تھے جو تمام حنفیوں کا مسلک ہے۔

(۱۲) ایصال ثواب: کوئی نیک عمل کر کے یا صدقہ خیرات کر کے اس کا ثواب کسی مرحوم یا مرحومہ کو بخش دینا یہ اہل حدیث کے نزدیک غلط ہے جبکہ حنفی حضرات سب کے سب ایصال ثواب کو درست مانتے ہیں اور حضرت لطیفیؒ بھی اس کو مانتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ دیو بند اور بریلی والوں کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۱۳) نماز میں قرأت کے وقت سینہ پر ہاتھ باندھنا: اہل حدیث وغیرہ نماز میں

قرأت کے وقت سینہ پر ہاتھ باندھتے ہیں حنفی حضرات ناف سے ملا ہوا ناف سے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں حضرت لطیفیؒ حنفی مسلک کے مطابق ہاتھ باندھتے تھے۔

ان باتوں کے علاوہ اور مسائل میں بھی حضرت لطیفیؒ کا اختلاف اہل حدیث سے ہے جیسا کہ تمام حنفیوں کو ہے یہاں چند مشہور مسئلوں کو بیان کیا گیا جن سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ اگر چہ حضرت لطیفیؒ اہل حدیث عالم کے شاگرد تھے مگر وہ حنفی مسلک پر قائم تھے۔

اختلافی مسائل: دیوبند اور بریلی کے علماء کے نقطہ نظر سے:

(۱) ایک مشہور مسئلہ ہے جو ''امکان کذب'' کے عنوان سے مشہور ہے لیکن حقیقت میں یہ مسئلہ ایسا نہیں جیسا کہ لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے ذرا سوچئے کہ کس مسلمان کے دماغ میں فتور ہوا ہے کہ یہ سوچنے بیٹھے کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں، اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ حقیقت میں یہ مسئلہ خدا کی قدرت کا ہے دو حضرات جو اپنے وقت کے بڑے عالم تھے منطق اور فلسفہ کے ماہر دونوں کے درمیان اس آیت پر بحث چلی:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَ أَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ. خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ.

وہ (خاص) لوگ جو کافر ہو گئے برابر ہے آپ ان کو ڈرائیں (عذاب سے) یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے اللہ نے ان کے دلوں اور کان پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے دونوں علماء کے سامنے یہ سوال آیا کہ جن کافروں کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے کیا خدا ان کو معاف کر سکتا ہے؟ یا نہیں؟ اس پر شاہ اسمٰعیل دہلوی نے کہا خدا کو قدرت ہے وہ معاف کر سکتا ہے، مولانا فضل حق خیر آبادی نے کہا کہ نہیں کر سکتا اس لئے کہ اس طرح جھوٹ لازم آئے گا اور جھوٹ عیب ہے اور خدا ہر عیب سے پاک ہے۔ اس پر شاہ اسمٰعیلؒ صاحب نے کہا کہ دیکھئے یہ عیب اس لئے نہیں ہے ایک ہے وعدہ خلافی

یعنی کسی سے وعدہ کرلیا کہ ہم تم کوفلاں چیز دیں گے اور وعدہ کے مطابق نہ دے تو یہ وعدہ خلافی ہوئی یہ بُری بات ہے اور عیب ہے اور ایک ہے دھمکی دینا ایک بادشاہ کسی کو دھمکی دے کہ تم آئندہ ایسی غلطی کروگے تو تم کوقتل کرادوں گا اور اس نے وہ غلطی کی بادشاہ نے رحم کھا کر اس کو معاف کر دیا تو یہ عیب نہیں کہلائے گا بلکہ عنایت بخشش اور رحم دلی کہلائے لوگ اس کو برا نہیں کہیں گے بلکہ بادشاہ کی رحم دلی کی تعریف کریں گے یہ ''خُلفِ وَعِید'' (دھمکی کے خلاف کرنا) کہلاتا ہے یہ عیب نہیں ہے[1] بظاہر بات ختم ہوگئی لیکن لوگوں نے بات کا بتنگڑ بنادیا اور امکان کذب کے عنوان سے جھگڑا کھڑا کر دیا کہ ''کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے'' ظاہر ہے یہ عنوان اصل مسئلہ نہیں اصل مسئلہ قدرت الٰہی ہے مگر یہ عنوان ایک فساد کی جڑ بن گیا اور بے انتہا بحث کا سلسلہ شروع ہوگیا یہ معاملہ منطق و فلسفہ کی بال کی کھال نکالنے کی روایت کے تحت خاصا الجھ گیا۔

اور یہی ایک مسئلہ دونوں فریقوں کے درمیان اختلافی ہے جس کا ذکر مولانا لطیفیؒ نے اپنی کتاب ''مکتوبات لطیفیؒ'' میں کیا۔ خاص زوردار بحث ہے جھوٹ کی برائی اور عیب ہونے پر اور خدائے عزوجل کے جھوٹ کے عیب سے پاک ہونے پر۔ علمائے دیوبند جھوٹ کی نسبت خدا کی طرف کرنے کو کفر مانتے ہیں اور جھوٹ کا صادر ہونا خدا سے ناممکن مانتے ہیں، لیکن یہ لوگ محال بالغیر مانتے ہیں یعنی قدرت تو ہے لیکن چونکہ جھوٹ عیب ہے اور خدا عیب سے پاک ہے اس لئے جھوٹ کا خدا سے صادر ہونا محال ہے۔ مولانا لطیفیؒ مکتوبات میں قدرت کا بھی انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] یہ بات ایک مثال سے سمجھ میں آسکتی ہے وہ یہ کہ ایک شاعر تھا اپنی نظموں میں حضور ﷺ کی توہین کرتا تھا اور برے القاب سے یاد کرتا تھا حضور ﷺ نے اس کے قتل کا حکم جاری کردیا بعد کو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لایا تب اپنا تعارف کراکے معافی چاہی تو حضور ﷺ نے اس کو معاف کردیا اور قتل کا فرمان واپس لے لیا یہی نہیں بلکہ اس نے پھر حضور ﷺ کی شان میں حمد و نعت کہی اور حضور ﷺ کو پڑھ کر سنائی تو حضور ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ اس کو اپنی چادر اوڑھائی اور اس کو عنایت کردی۔ کیا اس سے حضور ﷺ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہا جائے گا یا ان کی شان میں اس بخشش سے کوئی کمی آگئی؟

ہاں اگر بتقاضائے سلطان وہم ہمیگویند	ہاں اگر وہم کے بادشاہ کے تقاضے سے کہتے ہیں
کہ چوں "اِنَّ اللّٰہَ عَلیٰ کُلِّ شَیٍٔ قَدِیْر"	کہ جب اللہ ہر چیز پر قادر ہے (آیت کے مطابق)
قول محکم است و سخن دروغ و	یہ محکم (مضبوط) قول ہے اور جھوٹ بولنا اور
بدیں اتصاف ذات باری عزاسمہٗ	اس کے ساتھ متصف ہونا ذات باری عزاسمہٗ کا
شیٔ من الاشیاء است پس ناچاراست	شیٔ ہے اشیاء میں سے پس لازم ہے کہ
کہ تعلق قدرت بدیں اتصاف نیز بذاتہ	قدرت کا تعلق اس اتصاف کے ساتھ بھی بذاتہ
ممکن بوداگرچہ بوصف تقدیس وے ممتنع شود	ممکن ہوگا۔ اگرچہ اس کے مقدس ہونے
	(عیب سے پاک) کی وجہ سے ناممکن ہوگا
ناالبتہ گفتہ آید کہ تقدیس کہ از صفات	البتہ یہ کہا جائے گا کہ تقدیس (بے عیب ہونا) صفات
ذاتیۂ ویست و مصداقش	ذاتی میں سے خدا کے ہے اور اس کا مصداق
عین ذات است پس امتناع	عین ذات ہے۔ پس محال ہونا
اتصاف معہود بتقاضاے تقدیس عین	مذکور اتصاف عین ذات کی تقدیس کے تقاضے سے
امتناع آں اتصاف بتقاضائے ذات است	اس اتصاف (صفت سے موصوف ہونے) کا محال ہونا
فتأمل (مکتوبات لطیفی، ص:۱۷-۱۸)	ذات کے تقاضے سے ہے (پس غور کرو)

حضرت لطیفیؒ نے بہت عمدہ طریقہ سے یہ بحث پیش کی ہے اور خاص بات یہ کہ انہوں نے علمائے دیوبند کے مسلک کو بھی صاف اور ٹھیک طور پر بیان کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ قدرت کے لحاظ سے بھی محال ہے۔

اس مسئلہ پر علمائے دیوبند سے میری بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اہل سنت کے عقائد کے امام ابوالحسن اشعری اور ابوالمنصور ماتریدی کے نزدیک خدا کی صفتیں نہ عین ذات خدا ہیں نہ غیر یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ لیکن صوفیہ جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں ان کے نزدیک خدا کی صفتیں عین ذات خدا ہیں اس لئے ان صوفیوں کے نزدیک امکان کذب کا مسئلہ اٹھتا ہی نہیں

ہے یہ بحث تو اس وقت ہوتی ہے جب خدا کی صفتوں کو عین خدا نہ مانا جائے اور نہ غیر خدا مانا جائے۔ عام فہم زبان میں کہئے تو یوں کہ عین خدا بھی نہیں خدا سے جدا بھی نہیں۔

غرض یہ مسئلہ خالص علمی اور باریک ہے عوام کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں اور علمائے بریلی کے مطابق مولانا کا یہ فیصلہ ایسا ہے کہ علمائے دیوبند کو اس سے اختلاف بھی نہیں ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اس مسئلہ پر ایک مضمون لکھا ہے عنوان ہے ''خدا کی قدرت'' اس میں قریب دو سو سال سے چلنے والے جھگڑے کو بے جھگڑے کے ختم کر دیا ہے اور یہ بحث منطق کے چکر میں پڑی رہی میں نے اس کو ''لغت'' (زبان) کے ذریعہ حل کیا ہے۔

(۲) علم غیب:

یہ مسئلہ بھی ایک مدت سے جھگڑے کی بنیاد بنا ہوا ہے۔ علمائے دیوبند کہتے ہیں کہ خدا نے حضرت محمد مصطفیٰ سید المرسلین ﷺ کو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ علم دیا وہ تمام نبیوں فرشتوں انسانوں جنوں سے بہت زیادہ غیب کی باتیں خدا کی طرف سے دیئے گئے علم کے مطابق جانتے تھے یعنی حضور ﷺ عالم غیب (غیب کے عالم) تھے لیکن ''عالم الغیب'' نہیں تھے ''الغیب'' کے معنی کل غیب کے ہیں اور یہ صفت اسی ذات کے لئے ہے جو بذات خود تمام باتوں چیزوں کا عالم ہے یعنی اللہ تعالیٰ لیکن بریلی علماء مدتوں تک یہی مانتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ''عالم الغیب'' ہیں مولانا ارشد القادری نے جو اِس زمانہ میں بریلویوں کے اہم عالم سمجھے جاتے تھے ایک کتاب لکھی اس میں ان آیتوں کو لکھا جن میں خدا کے غیر کے لئے علم غیب کا انکار کیا گیا ہے پھر ان آیتوں کو لکھا جن میں نبیوں کو غیب کی باتیں بتانے کا ذکر ہے اور پھر انہوں نے لکھا کہ جن آیتوں میں خدا کے سوا علم غیب کا انکار ہے اسے مراد ہے کہ ذاتی اور علم کل خدا کے سوا کسی کو نہیں اور پھر علمائے دیوبند کے مسلک کو بھی بتایا کہ وہ بھی یہی کہتے ہیں لیکن جن لوگوں نے یہ کتاب نہیں دیکھی وہ پرانا راگ ہی الاپ رہے ہیں۔ بہرحال حضرت لطیفی کا مسلک بیان کر رہا

ہوں۔ حضرت لطیفیؔ کے ایک خط سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے اور ان کا مسلک صاف معلوم ہوتا ہے ان کا یہ خط نقل کر رہا ہوں:

با وصف اطلاع بر صفا تیکہ	باوجود باخبر ہونے ان صفتوں کے
ممکن الاطلاع است و باوجود	جن کی خبر پانا ممکن ہے اور باوجود
ادائے عبادتیکہ میسر الادا است	ان عبادتوں کے ادا کرنے کے جن کا ادا کرنا میسر ہے
حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام	حبیب خدا ﷺ کو کیا بات پیش آئی کہ فرمایا
راچہ ماجرا پیش آمد کہ فرمود	(اے خدا) میں نے آپ کو نہیں پہچانا جتنا کہ معرفت کا حق ہے
مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ	اور ہم نے آپ کی عبادت اتنی نہیں کی
وَمَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ	جتنا کہ حق ہے
آرے کمال معرفت و عبادتِ حق	کمال معرفت اور عبادت حق
بے نقصانے ہیچ ہمیں بود کہ	بغیر کسی ذرہ برابر نقصان کے یہی ہوگی کہ
او سبحانہ تعالیٰ بجمیع صفات و مظاہر	اس سبحانہ تعالیٰ تمام صفتوں اور مظاہر کے ساتھ
از بواطن و ظواہر شناختہ	باطنی اور ظاہری (تمام تر) پہچانا جانے
و پرستیدہ شود و بمقتضائے	اور عبادت کی جائے اور بہ تقاضائے
شان ہر مظہرے آدابش بجا آوردہ	شان ہر ایک مظہر اس کے آداب بجالائے جائیں
آید۔ بالجملہ آویزے یا گریزے	فی الجملہ، ایک لگاؤ یا ایک فرار
باید و ایں چنیں شناخت و پرستش	چاہیئے اور اس طرح کی پہچان اور پوجنا
و بجا آوری آداب متعذر الوقوع است	اور بجا آوری آداب کی محال ہے
کہ مظاہرش را پایانے نیست	اس لئے کہ اس کے مظاہر (اس کے جمال وکمال کے ظاہر ہونے کی جگہ) کی کوئی انتہا نہیں ہے
بیشتر صفاتش را بیانے نے	اور اس کی بہت سی صفتوں کا کوئی بیان نہیں ہے

کہ ماورائے موجودات و معلومات	اس لئے کہ موجودات ومعلومات کے ماسوا
بیشترے از معدومات و مجہولات	زیادہ تر معدومات (غیر موجود) مجہولات (جن کا علم نہیں)
در بحر احدیتِ ذات و خزینۂ علم	احدیتِ ذات کے سمندر میں اور خزانۂ علم
آں مبداء کائنات چناں پنہانند	مبداء کائنات (دنیا کے بنانے والے)
	کے سمندر میں اس طرح پوشیدہ ہیں کہ
کہ ہیچ کس را از عوام و خواص	کسی شخص کو عام لوگوں اور خاص لوگوں سے
واخص الخواص ازاں خبرے نیست	اور تمام خاص لوگوں میں سب سے زیادہ خاص
و از وجود آنہا اثرے نے	(یعنی حضور ﷺ) اس کے متعلق کوئی خبر نہیں
	ہے اور ان باتوں کے وجود کا کوئی نشان بھی نہیں
پس چوں بود کہ حق معرفت وحق عبادتش	پس کیونکر ہوسکتا ہے حق معرفت اور اس کی عبادت کا حق
باا قصور و بے ہیچ فتور ادا کردہ شود	بغیر کسی کوتاہی اور بغیر کسی خلل کے ادا کیا جاسکے
بنا بریں اعتراف قصور از آں	اسی بنا پر اقرار کوتاہی کا آں حضرت
سرور دنیا و دیں بجائے خود است	سرور دنیا و دیں کا بجائے خود (درست) ہے

اس خط سے واضح ہوگیا کہ خدا کی تمام صفتوں کا علم حضور ﷺ کو بھی نہیں تھا میں نے اس خط کو مفصل طور پر نقل کر دیا تا کہ پوری بات سامنے آجائے اور حضرت لطیفیؒ کا نظریہ صاف صاف معلوم ہوجائے۔

اس کے علاوہ بھی ان کے خطبات میں جا بجا ایسی باتیں ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ ربیع الاوّل کا پہلا خطبہ:

تعالٰی ثَنَائُهٗ عَمَّا یُحَاطُ مِنْ اَحدٍ مِنْ	بلند ہے اس کی تعریف اس بات سے کہ احاطہ کی
خـلـقِــهٖ وَیُــطَــاق	جائے اس کی مخلوق سے یا طاقت رکھی جائے

یعنی خدا کی تعریف کا احاطہ کسی مخلوق کی طاقت سے باہر ہے۔

جمادی الاولیٰ کا چوتھا خطبہ

وَلَانَا ظِرٍ فِیْ الْقُلُوْبِ الَّا هُوْ	اور نہیں ہے دیکھنے والا دلوں میں مگر وہی (خدا)
یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَلَا	جانتا ہے (اللہ تعالیٰ) آسمانوں اور زمین کے غیب کو
یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِمَّا فِیْ صُدُوْرِ	اور نہیں غائب ہوتا ہے اس سے ذرہ برابر
النَّاسِ وَلَیْسَ کَمِثْلِهٖ خَبِیْرِ	اس چیز سے جو لوگوں کے دلوں میں ہے اور اس کی طرح کوئی خبر رکھنے والا نہیں
یَسْمَعُ کَلَّ مَا یُحَدِّثُوْنَ فِیْ نُفُوْسِهِمْ وَیَرٰی	سنتا ہے جو باتیں گذرتی ہیں لوگوں کے دلوں میں اور دیکھتا ہے
کُلَّ مَا یَکْتُمُوْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ	ہر اس چیز کو جو چھپا رہتا ہے ان کے دلوں میں اور
بِشَیْءٍ مِنْ عِلْمِهٖ .	نہیں احاطہ کر سکتے لوگ کسی چیز کا بھی اس کے علم سے

خطبہ شعبان کا چوتھا

وَهَلْ مِنْ عَلِیْمٍ غَیْرِ اللّٰهِ یَعْلَمُ	اور کیا کوئی علم رکھنے والا سوائے اللہ کے جو جانتا ہو
غَیْبَ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ	زمین آسمان کے غیب کو
لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	نہیں ہے معبود مگر وہی

ان تمام حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت لطیفیؒ کے مطابق رسول اللہ کو مخلوقات میں سب سے زیادہ علم رکھنے یعنی تمام انسانوں، جنات اور فرشتوں حتی کہ تمام نبیوں سے بھی زیادہ علم رکھنے کے باوجود خدا کے برابر غیب کا علم نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی یہ علم ان کا ذاتی تھا۔

ایک لطیفہ حضرت لطیفیؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ سنا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں رسول اللہ کو عالم الغیب مانتے ہیں میں تو خدا کو بھی عالم الغیب نہیں مانتا۔ اس بات کو سن کر کوئی تہی مغز جلد باز مولوی مولانا لطیفیؒ کو کفر کا فتویٰ دیدے گا اس لئے کہ قرآن میں بہت سے مقامات میں خدا کو عالم الغیب کہا گیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ خدا کو عالم الغیب نہیں مانتا۔ تو جناب ذرا ٹھہریئے اور سوچئے کہ اتنے بڑے عالم اور صوفی ایسا کیوں کہہ رہے ہیں یہ بات بڑی گہری ہے اس کے لئے پہلے یہ سمجھئے کہ ''غیب'' کس کو کہتے ہیں اور یہ بھی کہ ''غیب'' کے مقابلہ میں ''شہادۃ'' کا لفظ بار بار قرآن حکیم میں آیا ہے۔ شہادت کو پہلے سمجھئے۔ شہادۃ اس کو کہتے ہیں جس کو ہم اپنے حواس کے ذریعہ محسوس کر سکتے ہیں، حواس ۵ ہیں: (۱) نظر، (۲) سننا (۳) سونگھنا (۴) چکھنا (۵) چھوکر محسوس کرنا۔ ان چیزوں کے ذریعہ جو علم ہو وہ علم شہادت ہے اور جس چیز کا علم ان چیزوں کے ذریعہ نہ ہو ان کو غیب کہا جاتا ہے یعنی جس چیز کو آپ نہ دیکھ رہے ہوں، نہ سن رہے ہوں نہ سونگھ رہے ہوں نہ چکھ رہے ہوں نہ چھوکر اس کی سختی نرمی سردی گرمی وغیرہ محسوس کر رہے ہوں وہ غیب ہے یعنی ہم سے آپ سے جو غائب ہو وہ ہمارے آپ کے لئے غیب ہے۔

اب جب یہ بات صاف ہوگئی تو یہ بتایئے کہ خدا سے کون سی چیز غائب ہے؟ ظاہر ہے کہ کچھ بھی نہیں تو پھر وہ عالم الغیب کہاں ہوا ہر چیز اس کے سامنے ہر چیز کا ظاہر باطن اس کے سامنے ہے تو خدا کا علم علمِ شہادت ہے نہ کہ علم غیب۔

پھر آپ کہیں گے کہ قرآن میں خدا کو عالم الغیب کہا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کو عالم الغیب اس کی ذات کے لحاظ سے نہیں کہا جاتا بلکہ جو چیزیں ہمارے لئے غیب ہیں ان کو خدا جانتا ہے اس لئے ہمارے لحاظ سے عالم الغیب کہا جاتا ہے۔

یہ واقعہ حضرت لطیفیؒ کا مولانا بدرالدین اعظم نگری کے ذریعہ معلوم ہوا۔ ان کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اس واقعہ سے صاف معلوم ہوگیا کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب ماننے کی خبر سن کر حضرت لطیفیؒ نے اس کا مزاحیہ انداز میں انکار کیا۔

(۳) مَالِکُ

یہ مشہور ہے کہ علمائے بریلی اللہ کو خالق اور رسول اللہ ﷺ کو مالک مانتے ہیں اور ان کو مختار کل ماتے ہیں جس کو چاہیں جنت دیں جس کو چاہیں جہنم رسید کریں اگر چہ اس نظریہ کی تردید قرآن کی آیتوں اور حدیثوں سے ہوتی ہے مگر میں یہاں یہ بحث نہیں کر رہا ہوں بلکہ حضرت لطیفیؒ کا بیان پیش کرنا ہے۔

پہلا خطبہ محرم کے ماہ کا

یَـا قُوْمُ هَـلْ مِـنْ حَـاکِمٍ مِـمَّنْ	اے قوم کیا کوئی حاکم ہے؟ اللہ کے سوا جو
سِـوَاالـلّٰــهِ الْـحَـکَـمُ	حکم نافذ کرنے والا ہے
یَجْرِیْ لَکُمْ مِنْ حکْمِهٖ اِجْرَاءُ حُکْمِ جَابِرٍ	تمہارے اوپر اپنے حکم کو جاری کرتا ہے جابر کے حکم کی طرح
یَا قَـوْمِ هَلْ مِنْ مَالِکٍ مِمَّن سِوٰی اللّٰهِ الوَلِیَ	اے قوم کیا کوئی مالک ہے اللہ کے سوا جو ولی ہے سب کا
یَـکْفِی لَکُمْ فِیْ اَوَّلٍ یَجْزِیْ لَکُمْ فِیْ آخِرٍ	کفایت کرتا ہے تمہاری دنیا میں اور بدلہ دیتا ہے آخرت میں

دوسرا خطبہ ماہ محرم کا

لَا مُـعْـطِــی وَلَا مَـانِـعَ اِلَّا هُـوَ	کوئی نہیں عطا کرنے والا اور نہ روکنے والا سوائے اس (خدا کے)
یَـرْزُقُ مَـن یَشَـاءُ بِغَیْـرِ حِسَـاب	روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے حساب

دوسرا خطبہ ماہ صفر کا

لَانَـا صِـر فـی حُـصُوْلِ الْمُرَادِ اِلَّا هُوَ	کوئی بھی مددگار نہیں مراد کے حاصل کرنے میں سوائے اس (خدا) کے
وَلَا هَـادِیَ اِلـیٰ سَبِیْـلِ الرِّشَادِ اِلَّا هُوَ	کوئی بھی ہدایت کرنے والا نہیں ہدایت کی راہ کی طرف سوائے اس (خدا) کے
وَلَا مُـنَـادِی اِلـٰی طَرِیْقِ السَّدَادِ اِلَّا هُوَ	اور کوئی بھی پکارنے والا نہیں سیدھی راہ کی طرف سوائے اس (خدا) کے

وَلَا قَادِرَ عَلٰی رَفْعِ مَکْرِالنَّفْسِ الْمَکَارِہِ اِلَّا ھُوَ — اور کوئی بھی قادر نہیں نفس غالب کے مکر کو دفع کرنے والا سوائے اس (خدا) کے

جمادی الاولیٰ کا چوتھا خطبہ

ھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ — وہی غالب ہے اپنے بندوں پر

وَالْقَادِرُ عَلٰی مُرَادِہٖ — اور قدرت رکھنے والا ہے اپنی مراد پر

وَلَہُ الْکِبْرِیَاءُ وَالْبَقَاءُ — اور اسی کے لئے ہے بڑائی اور بقاء

وَالْعِزَّاتُ وَالْغَنَاء — اور عزتیں اور غنی ہونا

وَکُلُّ مَنْ سِوَاہُ ذَلِیْلٌ وَّفَقِیْرًا — اور اس کے سوا جو بھی ہیں وہ ذلیل اور محتاج ہیں

غرض اپنے خطبات میں حضرت لطیفیؒ نے

خدا کے سوا کسی کو حاکم ہونے مالک ہونے اور عطاء کرنے والا ہونے اور عطا کو روکنے والا ہونے، رزاق ہونے مراد حاصل کرنے میں مددگار ہونے اور ہدایت کی راہ دکھانے والا ہونے، سیدھی راہ کی طرف بلانے والا ہونے اور نفس کی برائیوں اور مکر کو دفع کرنے پر قادر ہونے کا انکار کیا ہے۔

اور یہ کہ وہی غالب ہے اپنے بندوں اور قادر ہے اپنے ارادہ پر اور اسی کے لئے ہے بڑائی اور بقائے دوام عزتیں اور غنی ہونا۔

اور اس کے سوا تمام کے تمام ذلیل اور محتاج ہیں۔

حضرت لطیفیؒ کا آخری جملہ: خدا کے سوا جو بھی ہیں وہ ذلیل اور محتاج ہیں۔ اگر بغیر حوالہ کے کسی بریلوی عالم کے سامنے پیش کیا جائے یا اس شخص کے سامنے جو حضرت لطیفیؒ سے واقف نہ ہو تو فوراً کفر کا فتویٰ دے دیگا۔ اس لئے کہ ان کا جملہ ''کُلُّ مَنْ سِوَاہُ ذَلِیْلٌ وَفَقِیْر'' شاہ اسمٰعیل دہلوی کے جملہ کی طرح ہے تقویۃ الایمان کا یہ جملہ ''ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے''۔

شاہ صاحب کے جملہ میں ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا ہے حضرت لطیفیؔ کے یہاں ''اس کے (خدا کے) سوا کل ''کُل'' کے لفظ میں سب کے سب جو بھی خدا کے سوا ہیں آ جاتے ہیں۔ شاہ اسمٰعیل نے ''بڑا ہو یا چھوٹا'' لکھ کر اس کی وضاحت کر دی۔ اور ''چمار سے بھی'' کا فقرہ زیادہ ہے وہ بھی ایک وضاحت اور صورت ذلیل ہونے کی ہے۔ مطلب دونوں قول کا ایک ہی ہے غرض دونوں ہی ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔

بات کا بتنگڑ بنانا کسی تعصب یا اختلاف کی وجہ سے جھٹ سے کفر کا فتویٰ جڑ دینا آسان ہے خاص کر جب کسی سے پرخاش ہو تو الزام دینے کے لئے کسی کے قول میں برائی کا پہلو نکال کر فتویٰ دینا کچھ لوگوں کا دل چسپ مشغلہ ہے جبکہ ہر قول میں کہنے والے کی نیت اور کس مقام پر کس کے مقابلہ میں یہ بات کہی جا رہی ہے اس پر لوگ کم ہی غور کرتے ہیں یا کم ہی لوگوں کو توفیق ہوتی ہے یا اہلیت ہوتی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہاں کسی انسان سے نہیں بلکہ خالق کائنات سے مقابلہ کیا جا رہا ہے مخلوق کا جبکہ مخلوق اپنی تخلیق سے پہلے نیست محض اور غیر موجود ہوتا ہے اور خدا کے ارادہ سے اس کا وجود ہوتا ہے دنیا میں سب سے بڑا رتبہ والا دنیاوی اعتبار سے بادشاہ کو سمجھا جاتا ہے اور چمار کو ذلیل مانا جاتا ہے جبکہ بادشاہ اور چمار دونوں آدم وحوا کی اولادیں ہیں دونوں ہی انسان ہیں بادشاہ نے چمار کو پیدا نہیں کیا نہ ہی چمار کیڑا مکوڑا ہے بلکہ وہ بھی بادشاہ ہی کی طرح انسان ہے اور کیا یہ ناممکن ہے کہ بادشاہ فقیر ہو جائے اور چمار کا پیشہ اختیار کر لے اور چمار کی قسمت کھل جائے تو خدا اس کو بادشاہ بنا دے۔ لیکن کوئی بھی آدمی خدا نہیں ہو سکتا اور نہ خدا آدمی بن سکتا ہے اس لئے یہ بات ظاہر ہے کہ بادشاہ اور چمار میں جو فرق ہے اس سے زیادہ فرق خدا اور تمام مخلوقات میں ہے پھر یہ بات اس طرح کہی گئی ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا گیا بلکہ تمام مخلوقات کہا گیا ہے۔

اب ہم دیکھیں گے کہ ان دو حضرات کے علاوہ اور کہیں ایسی بات ہم کو ملتی ہے؟

قرآن حکیم میں ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ دَّاَنْتُمْ اَذِلَّه

بدر میں اللہ نے تمہاری مدد کی حالانکہ تم سب اس وقت ذلیل تھے

یہاں ذلیل سے مراد ضعیف و ناتواں بے سروسامان ہے۔

ملاحظہ ہو قرآن نے بدر میں سب مسلمانوں کو جن میں حضور ﷺ بھی تھے۔

"اَذِلَّه" (ذلیل) کہا ہے

اب حدیث کو دیکھتے ہیں ہیں عوارف المعارف، باب: ۶۳ واں ذکر ہدایت ونہایت میں ہے:

وَبَلَغَنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم	ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
حَدِیْثٌ اَنَّهٗ قَالَ لَایَکْمَلَ اِیْمَانُ الْمَرْءِ	آدمی کا ایمان کامل نہیں ہوتا
حَتّٰی یَکُوْنَ النَّاسُ عِنْدَهٗ کَالأَبَاعِر	جب تک کہ تمام لوگ اس کے نزدیک اونٹ کی مینگنیوں کی طرح نہ ہو جائیں

حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے، انہوں نے فرمایا: کسی کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو تمام مخلوق ایسی نہ دکھائی دے جیسے کہ اونٹ کی مینگنی۔

حضرت نظام الدین نے دراصل اس حدیث کے مضمون کو بیان کر دیا ہے۔

عربی لغت میں "ذَلَّ" کے معنی متواضع اور منقاد کے آئے ہیں منقاد کا مطلب ہے تابع فرمان ہونا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت لطیفیؒ کا یہ کہنا قرآن حدیث کے موافق ہے مخالف نہیں۔ لیکن بریلوی حضرت کے بالکل خلاف ہے۔

اس قول کا مقصد کسی کی توہین نہیں بلکہ انبیاء اولیاء کے متعلق محبت میں غلو کرنے سے روکنا ہے جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں غلو کیا اور ان کو خدا کا بیٹا اور پھر خدا بنالیا، یہودیوں نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا بنالیا۔ یہ مذہب تو ایک خاص مدت تک کے لئے

آئے تھے اور شریعت محمدی تو قیامت تک کے لئے ہے خدا جانے لاکھوں کروڑوں اربوں کتنے برس پر قیامت برپا ہوگی اس درمیان کوئی نبی بھی آنے والے نہیں کہ پھیلی ہوئی گمراہی کو سابق نبی کی شریعت کو منسوخ کر کے دور کر دے۔ اب تو یہ علمائے امت کا کام ہے کہ بدعتوں اور بداعمالیوں اور غلط عقائد اور گمراہی کو روکیں اس بات کو سمجھانے کے لئے ایسی باتیں کہی جاتی ہیں کہ لوگ شرک و بدعت میں مبتلا ہو کر اصل دین کو نہ کھو دیں۔ غلو سے مطلب یہ کہ نبی یا ولی کو خدائی اختیارات کا مالک ماننا خدائی صفتوں میں خدا کا ہم پلہ ماننا وغیرہ۔

اب ایک اور قول حضرت لطیفیؒ کا ان کی کتاب ''بما اغنیٰ من الکلام'' (ایسی باتیں جو علم کلام (عقائد) سے بے نیاز کرنے والی ہیں) سے انہوں نے خدا کے مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

مالکے است کہ اورا ہیچ شریکے نیست	(خدا) ایسا مالک ہے کہ (اس کے مالک ہونے) میں اس کا کوئی شریک نہیں
بادشاہست کہ اورا وزیرے نیست	(خدا) ایسا بادشاہ ہے کہ اس کا کوئی وزیر نہیں

یعنی مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ کے نزدیک خدا ایسا مالک ہے کہ اس کی ملکیت میں کوئی بھی شریک نہیں چہ جائیکہ کوئی اور مالک ہو اور وہ ایسا بادشاہ ہے کہ اس کا کوئی وزیر بھی نہیں۔ غرض مولانا لطیفیؒ کے نزدیک بریلویوں کا یہ نظریہ کہ خدا خالق ہے اور رسول اللہ ﷺ مالک ہیں بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔

اسی کتاب کے ص:۳۴ میں فرماتے ہیں

سُبْحَانَ مَنْ لَا فَاعِلَ سِوَاہُ	پاک ہے وہ ذات کہ نہیں ہے فاعل (حقیقی) کوئی بھی اس کے سوا

(۴) بشر یا نور؟ یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے اور حیرت کی بات ہے کہ اس میں اختلاف کیوں ہوا۔ حضرت لطیفیؒ نے مستقل طور پر اس کے متعلق کوئی نظریہ پیش نہیں کیا ہے مگر

اپنے مکتوبات میں ص:۱۵ پر لکھا ہے:

در حدیث دیگر از سید بشر مروی ست — دوسری حدیث میں بشر کے سردار سے روایت ہے

اور ایک جگہ ہے

بشنوائے خبر خیر البشر — خیر البشر کی خبر کے اشارہ کے مطابق

ظاہر ہے بشر کے سردار اور خیر البشر بشر سے خارج نہیں ہوں گے۔

آدم کی اولاد سے حضور ﷺ ہیں اور آدم بشر تھے اور ابوالبشر بھی حضور ﷺ کے باپ دادا سب بشر آدمی تھے ظاہر ہے یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ انسان کی اولاد انسان نہ ہوا گرچہ یہ ممکن ہے کہ خدا کے حکم سے آدمی کی اولاد میں کوئی اور مخلوق ہو جائے مگر وہ الگ مخلوق نظر تو آئے گی نہ یہ کہ سر سے پاؤں تک آدمی نظر آئے سب آدمیوں کی طرح ہاتھ پاؤں سر، آنکھ ہو سب کی طرح چلتا پھرتا ہو، کھاتا پیتا ہو، بولتا ہو سنتا ہو، سمجھتا ہو دیکھتا ہو، اوڑھتا پہنتا ہو، پیشاب پاخانہ بھی کرتا ہو، شادی بھی کرتا ہو، بیوی سے صحت بھی کرتا ہو اولاد بھی پیدا ہوتی ہو ہر لحاظ سے آدمی نظر آتا ہو، اس کو اگر یہ کہیں کہ آدمی نہیں تو کوئی بھی آدمی کہہ سکتا ہے کہ میں آدمی نہیں بلکہ کوئی نوری مخلوق ہوں تو اس کی تردید کیسے کی جائے گی۔

حضرت لطیفیؒ نے کہیں بھی حضور ﷺ کو بشر سے خارج کر کے نوری مخلوق قرار نہیں دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر اس کی ضرورت کیا ہے؟ کیا اس سے حضور ﷺ کا درجہ بڑا ہو جائے گا؟ ذرا غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل رکھنے والی تین ہی مخلوق پیدا کی ہے: (۱) فرشتے یہ نوری مخلوق ہیں (۲) جن یہ ناری (آگ) مخلوق ہیں (۳) خاکی مخلوق انسان جس کے پہلے آدمی بشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا پلان خدا نے فرشتوں کو بتایا تو فرمایا:

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَه — میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں

اس سلسلہ میں فرشتوں کا اعتراض خدا کا جواب مشہور ہے پھر جب فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی برتری ثابت ہوگئی تو خدا نے فرشتوں اور جن کے سردار ابلیس سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو

تمام فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے انکار کیا۔

ظاہر ہے فرشتے نوری ہیں تمام فرشتوں نے آدم کو سجدہ خدا کے حکم سے کیا تو ظاہر ہوا کہ آدم فرشتوں سے افضل اور مرتبہ میں بڑے ہوئے پھر قرآن میں ہے:

لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ — میں نے بنی آدم کو عزت بخشی

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ — بیشک پیدا کیا ہم نے انسان کو بہترین سانچہ میں

غرض اللہ تعالیٰ نے آدمی کو نوری مخلوق سے افضل اور برتر قرار دیا ہے پھر ہم حضور ﷺ کو نوری قرار دے کر ان کا مرتبہ تو نہیں گھٹا رہے ہیں کیا کبھی سوچا ہے کہ ہم اگر حضور ﷺ کو آدمی (بشر) سے خارج کرتے ہیں تو ان کا مرتبہ گھٹاتے ہیں اور شیطان ہم کو سکھاتا ہے کہ تم حضور ﷺ کو بشر نہ مانو۔

حیرت بالائے حیرت یہ کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ترجمہ قرآن اس میں تفسیر مولانا نعیم صاحب کی ہے ان کے شروع میں فہرست مضامین قرآن ہے اس میں مختلف عنوان کے تحت آیتوں کے حوالے درج کئے گئے ہیں اسی میں ایک عنوان ہے ''انبیاء کرام کو بشر کہنا طریقہ کفار ہے'' اور اس کے ضمن میں چند آیتیں لکھی ہیں جن میں کفار نے رسولوں کو بشر کہا ہے۔ پہلے تو میں عقلی طور پر یہ بحث کر رہا ہوں کہ کفار اگر آدمی کو آدمی، پتھر کو پتھر، سونے کو سونا، گھوڑے کو گھوڑا کہیں تو کیا اس لئے ہم ان باتوں کا انکار کریں گے کہ کفار ایسا کہہ رہے ہیں ظاہر ہے کہ یہ بات عقل کے خلاف ہے۔ ہاں اگر ایسا ہو کہ کفار کے علاوہ تمام لوگ کوئی اور بات کہیں اور صرف کفار ہی سب کے خلاف بولیں تو کہا جائے گا کہ ایسا کہنا کفار ہی کا طریقہ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ کفار نے رسولوں کو بشر کہا تو رسولوں نے کفار کو کیا جواب دیا؟ ظاہر ہے کفار نے جب بشر کہہ کر بشر ہونے کی وجہ سے ان کے نبی ہونے کا انکار کیا (کیونکہ ان کا خیال تھا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا) تو چاہئے تو یہی اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے جواب میں نبی حضرات ﷺ فرماتے کہ تم نے غلط سمجھا ہم بشر نہیں ہیں اب تو ایمان لے آؤ۔ عقل کیا کہتی

ہے کہ کفار بشر کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر رہے تو کیا چاہیئے رسول اگر بشر نہیں تھے تو کہہ دیتے کہ ہم بشر نہیں ہیں بات ختم ہو جاتی کفار ایمان لے آتے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم میں کہیں بھی کفار کے یہ کہنے پر کہ تم تو ہم جیسے ہی بشر ہو تو تم پر کیوں ایمان لائیں تو رسول نبیوں نے انکا کیا جواب دیا۔

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب نے سب سے پہلے کافر ابلیس کی زبان سے سب سے پہلے آدمی اور نبی کو بشر کہلا کر یہ ثابت کیا ہے کہ نبی کو بشر کہنا طریقہ کفار ہے وہ آیت یہ ہے:

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ بَشَرًا خَلَقْتَهٗ مِنْ	بولا (ابلیس) مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے
صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ	بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی

پ:۱۴، سورہ الحجر، آیت ۳۳

لیکن غائب دماغی یہ وہ اس سے پہلے خدا نے آیت:۲۸ میں فرمایا:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ	اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں
خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ	سے فرمایا میں آدمی کو بتانے والا ہوں بجتی
حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ، الحجر:۲۸	مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے

اب دونوں آیتوں کو ملا کر دیکھئے زیادہ فاصلہ بھی نہیں بیان ایک ہی ہے۔ یعنی خدا نے آدم علیہ السلام کو بنانے کے موقع پر فرمایا میں ایک آدمی (بشر) کو بنانے والا ہوں۔ پھر بنانے کے بعد سب کو اسی بشر کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ مگر ابلیس کے سوا، سب نے اس کو سجدہ کیا پھر خدا نے ابلیس سے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں بشر کو سجدہ کروں میرے لئے زیبا نہیں سوچنے کی بات یہ ہے کہ خدا نے آدم کو بشر کہا شیطان نے بھی بشر کہا۔ تو خانصاحب کا یہ کہنا کہ ''انبیاء کرام کو بشر کہنا طریقۂ کفار ہے'' اور ایسی آیت کو ثبوت میں پیش کرنا جس میں شیطان نے آدم علیہ السلام کو بشر کہا اور ۲ آیت پہلے خدا نے بھی آدم کو بشر کہا۔ تو جو بات خدا نے خود کہی وہی بات ابلیس نے بھی آدم علیہ السلام کے متعلق کہی تو یہ طریقۂ کفار کیسے ہو گیا۔ اب دوسری آیت جو

انہوں نے پیش کی جو یہ ہے:

مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَاكُلُ مِمَّا تَاكُلُوْنَ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ الـمـؤمـنـون (۳۳-۳۴)	کہ یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے پیتا ہے اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو تب تم ضرور گھاٹے میں ہو۔

اب ذرا دیکھئے کہ جب کفار نے ان نبیوں کو بشر کہہ کر نبی ماننے سے انکار کر دایا تو عقل کا تقاضا تو یہی ہے کہ یہ نبی حضرات فرما دیتے کہ ہم بشر نہیں ہیں اور نہ ہونے کی دلیل دیتے تو جھگڑا ختم ہو جاتا لیکن انہوں نے اپنے بشر ہونے کا انکار نہیں کیا۔ ان ہی آیتوں کے بعد جب کفار کے انکار کا بیان ختم ہوا تو نبی نے کیا کہا قرآن میں ہے اس سے آگے:

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ المومنون. (آیت:۳۹-۴۰)	عرض کی (نبی نے) کہ اے میرے رب میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اللہ نے فرمایا کہ کچھ دیر جاتی ہے کہ یہ صبح کریں گے پچھتاتے ہوئے

غرض نبیوں نے اپنے بشر ہونے کا انکار نہیں کیا بشر نہ ہوتے تو انکار کرنے میں رکاوٹ کیا تھی سچی بات کہہ دیتے کہ ہم بشر نہیں۔

اب ایک اور آیت:

قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (یٰس:۱۵)	بولے (کفار) تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی

یہاں بھی کفار یہ کہہ کر نبی ماننے سے انکار کر دیا کہ تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو ہم تم کو نبی کیوں مانیں۔ تو جس بنیاد پر نبی ماننے سے انکار کیا وہ یہی کہ تم بشر ہو۔ اگر بشر نہیں تھے تو کیا چیز

روکنے والی تھی کہ یہ کہیں کہ ہم بشر نہیں ہیں اب یہاں بھی دیکھئے کہ ایسے موقع پر نبیوں نے کیا کہا اس آیت کے بعد نبیوں کا جواب دیکھئے:

قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّا اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْن

وہ (نبی حضرات) بولے ہمارا رب جانتا ہے بیشک ضرور ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں

کیا نبیوں کا ایسا کہنا بکواس ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک بشر کہہ کر نبی ماننے سے انکار مگر اس کا جواب نہیں بات دوسری کہہ رہے ہیں بشر کہنے کا کوئی جواب نہیں۔

فَقَالُوْا اَبُشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا فَکَفَرُوْا

تو بولے کیا آدمی ہیں راہ بتائیں گے تو کافر ہوئے (التغابن:٦)

اس آیت کے بعد اللہ کی طرف سے کافروں کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے لیکن نبیوں کے بشر ہونے کا انکار نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہ نبی حضرات جواب دینے سے قاصر تھے بلکہ جب نبیوں کے بشر ہونے کی بات سب کے نزدیک ظاہر اور مانی ہوئی ہے جو چیز کہ کھلی آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے پھر ایسی کھلی حقیقتوں کا انکار وہ کیوں کرتے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خانصاحب نے جو آیتیں اپنی دلیل میں پیش کی ہیں جن کے مطابق انبیاء کو بشر کہنا کفار کا طریقہ ہے۔ ان آیتوں میں سے پہلی آیت سے یہ ثابت ہوا کہ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کو خدا نے بشر کہا اس کے بعد ابلیس نے بھی اسی کو درست مانتے ہوئے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو یہ دلیل تو خانصاحب کی الٹی پڑی کہ جس چیز کو وہ کفار کا طریقہ بتا رہے ہیں وہی بات خدا نے بھی کہی اور بعد میں آیتوں سے نبیوں کو کفار کا بشر کہنا ثابت ہے لیکن نبیوں نے اپنے بشر ہونے کا انکار نہیں کیا نہ خدا ہی نے کافروں کے دعویٰ کو جھٹلایا۔

اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ کیا قرآن حکیم میں اور بھی آیتیں ہیں جن میں نبیوں کے بشر ہونے کا تذکرہ ہے تو ہم کو یہ آیتیں ملتی ہیں سورۂ ابراہیم، آیت: ١٠ میں ہے کہ کفار نے کہا کہ ''تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو اس کے بعد فوراً آیت نمبر: ١١ میں یہ جواب دیا گیا:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ

ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔

(سورہ ابراہیم، آیت:۱۱)

یہ ترجمہ کسی اور کا نہیں خود مولانا احمد رضا خانصاحب کا ہے۔ اس میں لفظ ''رُسُل'' استعمال ہوا ہے۔ ''رسول'' لفظ واحد ہے یعنی ایک رسول کو رسول کہا جائے گا اور رُسُل جمع ہے اور عربی زبان میں کم سے کم ۲ سے زیادہ یعنی کم سے کم ۳ پر جمع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں بہت سے رسولوں کی طرف سے کفار کے یہ کہنے پر کہ آپ تو بشر ہیں آپ پر کیوں ایمان لائیں جواب دیا گیا ہم تو تمہاری طرح سے انسان ہیں۔

اب ایک اور آیت ہے اس آیت سے پہلے یہ بیان قرآن حکیم میں ہے کہ کفار نے حضور ﷺ سے طرح طرح مانگیں کیں جیسے ''زمین سے کوئی چشمہ بہادو'' یا آپ کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اس میں بہتی نہر جاری کردو یا تم ہم پر آسمان گرادو یا اللہ اور فرشتوں کو ضامن لاؤ یا تمہارا مکان سونا سے بنا ہو ہو یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور باتیں۔ اس پر یہ آیت اتری:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا

(پ:۱۵، بنی اسرائیل، آیت:۹۳)

تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کی میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا

یہ جواب حضور ﷺ نے خدا کے حکم سے کافروں کو دیا اور اپنے ''بشر اور رسول ہونے کا اقرار کیا۔ ایک اور آیت ہے جس میں کفار کے انکار پر یہ کہہ کر کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے تمہارے درمیان پردہ حائل ہے۔ تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے بحکم اللہ فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰىٓ اِلَيَّ

(حٰمٓ، السجدہ، آیت:٦)

تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تم ہی جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے

ان دو آیتوں میں خود حضور ﷺ نے اپنے بشر ہونے کا اقرار اور اعلان کیا ہے۔

اس کے بعد اخیر میں یہ بات ۔اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کے درمیان ان کی ہدایت کے لئے آدمی ہی کو نبی اور رسول بنا کر کیوں بھیجا اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں اس کی حکمت اور اپنی پالیسی بیان کر دی ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰئِكَةٌ يَمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا

(پ:۱۵، بنی اسرائیل:۹۵)

تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول بھی (آسمان سے) فرشتہ اُتارتے

ایک اور آیت ملاحظہ ہو:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل:۴۳)

اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں

اس آیت کی تفسیر میں مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی شاگرد اعلیٰ حضرت یہ لکھتے ہیں:

''حدیث شریف میں ہے بیماری جہل کی شفا علماء سے دریافت کرنا ہے لہٰذا علماء سے دریافت کرو وہ تمہیں بتادیں گے کہ سنت الٰہیہ یوں ہی جاری رہی کہ اس نے مردوں کو نبی بنا کر بھیجا''۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں کفار کے اس عقیدہ کو رد کیا گیا ہے کہ بشر (آدمی) نبی نہیں ہوسکتا چنانچہ حضور ﷺ سے یہ اعلان کرادیا کہ ہم نے تم سے پہلے نبی صرف مرد ہی بھیجے۔ ظاہر ہے مرد فرشتوں میں نہیں ہوتا نہ نور ہی میں۔ اب ایک آیت اور بھی:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

(پ:۱۶، کہف:۱۱۰)

تم فرماؤ ظاہر صورت میں بشری میں تو ہیں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے

اب ایمانداری سے غور کیجئے کہ اسی مضمون کی ایک آیت گذری ہے اس میں ترجمہ خانصاحب نے کہ کیا: "آدمی ہونے میں تو میں تم ہی جیسا ہوں"۔

پہلی آیت کا ترجمہ صحیح ہونے سے قریب ہے یعنی آدمی ہونے میں جیسے تم آدمی ہو ویسے میں بھی آدمی ہوں لیکن دوسری آیت کا ترجمہ ایسا ہے کہ وہ تحریف تک لے جاتا ہے۔ یعنی قرآن تو کہتا ہے کہ میں بشر ہوں۔ ترجمہ کہتا ہے کہ ظاہری صورت بشری میں تم جیسا ہوں یعنی حقیقت میں نہیں ہوں اب ذرا ترجمہ دیکھئے حضرت شاہ عبدالقادر (بن شاہ ولی اللہ) اس آیت کا ترجمہ کیا کرتے ہیں:

شاہ عبدالقادر	قُلْ تو کہہ	اِنَّمَا	اَنَا میں بھی	بَشَرٌ ایک آدمی ہوں	مِّثْلُكُمْ جیسے تم	يُوْحٰى حکم آتا ہے	اِلَیَّ مجھ کو
محمد جونا گڑھی	آپ کہہ دیجئے	کہ	میں تو	ایک انسان ہوں	تم جیسا ہی	(ہاں) وحی کی جاتی ہے	میری جانب

پہلے ترجمہ میں انما کا ترجمہ خالی ہے۔

اب ہم الفاظ کی پابندی کے ساتھ ہر لفظ کا ترجمہ اس کے نیچے ۲ بہت بڑے عالموں کا پیش کرتے ہیں پہلے حضرت شاہ رفیع الدین (بن حضرت شاہ ولی اللہ) کا ہے اردو اور حضرت شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ:

شاہ رفیع الدین	قُلْ کہہ	اِنَّمَا سوائے اس کے نہیں	اَنَا کہ میں	بَشَرٌ آدمی ہوں	مِّثْلُكُمْ مانند تمہارے	يُوْحٰى وحی کی جاتی ہے	اِلَیَّ میری طرف
شاہ ولی اللہ	بگو	جز ایں نیست	کہ من	آدمی ام	مانند شما	وحی فرستادہ می شود	بسوئے من

ان ترجموں میں پہلا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر کا ہے جو بامحاورہ ہے اس میں ''انما'' کا ترجمہ نظر انداز کر کے آیت کے مطلب کو بتادیا گیا۔ دوسرا محمد جوناگڑھی کا ہے اس میں ''انما'' کی جگہ صرف ''کہ'' لکھا ہے مطلب میں کوئی تبدیلی نہیں۔

تیسرا ترجمہ: شاہ رفیع الدین کا ہے جو تحت اللفظ ہے یعنی ہر لفظ کا ترجمہ لفظ کے نیچے کیا ہے چوتھا ترجمہ شاہ ولی اللہ کا ہے یہ بھی بالکل تحت اللفظ ہے اور ''انما'' کا ترجمہ دونوں نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔ آخری دونوں ترجموں میں ''سوائے اس کے نہیں''۔ ''جزایں نیست'' قرآن کے مقصد کو زیادہ زوردار طور پر بتایا گیا ہے یعنی قرآن کا مقصد یہ بتانا ہے کہ سوائے اس کے دوسری بات کچھ نہیں کہ میں بشر ہوں اس سے حضور ﷺ کا بشر ہونا زوردار طریقہ پر ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم اسی تحت اللفظ کے طریقہ سے خانصاحب کے ترجمے کو دیکھتے ہیں:

قل	انما	انا	بشر	مثلکم	یوحیٰ	الیَّ
تم فرماؤ		میں		تم جیسا ہوں	وحی آتی ہے	مجھے

قرآن حکیم سے باہر ترجمہ: (ظاہر صورت بشری میں)

ناقص ترجمہ کر کے اور اپنی طرف سے قرآنی الفاظ سے باہر ترجمہ کر کے خانصاحب نے قرآن حکیم کے مطلب کو بدل دیا اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ ظاہری طور پر بشری صورت میں تھے مگر دراصل بشر نہیں تھے کیا یہ قرآن کی آیت کا الٹا مطلب نہیں ہے اسی کو تحریف کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ اسلام کے بہت بڑے فلاسفر تھے اور حکمت دین پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور قرآن حکیم کا ترجمہ فارسی میں کیا پھر ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر نے بامحاورہ ترجمہ کیا پھر ان کے دوسرے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے تحت اللفظ ترجمہ کیا۔ ان ترجموں میں ہر لفظ کا بالکل صحیح اور درست ترجمہ کیا گیا ہے نہ بڑھایا نہ گھٹایا میں نے

نقشہ اس لئے بنا دیا کہ جو لوگ عربی کے ماہر نہیں ہیں وہ بھی ایک ایک لفظ کے معنی الگ الگ دیکھ لیں اور سمجھ لیں اور ان پر ظاہر ہو جائے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے کیا زیادتی کی ہے۔ مزید یہ کہ قرآن حکیم کی آیتوں سے یہ دکھا کر کفار نے انبیاء کو بشر کہا اور یہ لکھا کہ انبیاء کو بشر کہنا طریقہ کفار ہے جن میں پہلی آیت میں خود خدا نے آدم علیہ السلام کو بشر کہا اور ابلیس نے بھی بشر کہا اور بعد کی آیتوں سے یہ ثابت ہوا کہ خود رسولوں نے اپنے بشر ہونے کا اقرار کیا اور چند آیتوں میں رسول ﷺ نے اپنے بشر ہونے کا اقرار کیا یہ کیا دیدہ دلیری ہے کہ ان سب کو کفار کے گروہ میں شمار کر دیا ساتھ ہی یہ بھی ملاحظہ ہو کہ خدائے عزوجل نے قرآن میں دوجگہ فرمایا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ	بیشک احسان کیا اللہ کے مومنوں پر جبکہ
بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِنْ اَنْفُسِهِمْ	بھیجا ان میں ایک رسول ان ہی میں سے

اس آیت میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان بتاتے ہوئے یہ فرمایا کہ رسول، مومنین میں ان ہی میں سے بھیجا یعنی مومنین ہی کے اندر سے سارے انسان مومنین میں ان ہی میں سے بھیجنے کا مطلب ظاہر ہے کہ جس جنس اور نوع سے یہ آدمی مومنین ہیں ان ہی کی جنس اور نوع سے رسول کو بھیجا نہ کہ دوسری مخلوق ہے۔

ابھی جو میں نے ایک آیت پیش کی جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا میں فرشتے بستے اور چلتے پھرتے تو ہم ان کے پاس رسول بھی آسمان سے فرشتہ اُتارا ہے۔

اس آیت پر تفسیر خانصاحب کے شاگرد نے لکھی ہے وہ یہ ہے:

''۱۹۹ وہی (ملائکہ) اس (زمین) میں بستے کیونکہ وہ ان کی جنس سے ہوتا۔ لیکن جب زمین میں آدمی بستے ہیں تو ان (کافروں) کا ملائکہ میں سے رسول طلب کرنا نہایت ہی بے جابات ہے''۔

ان کی اس تفسیر پر میں یہ کہتا ہوں کہ جب زمین میں (بشر) آدمی بستے ہیں اور خدا نے اسی لئے بشر کو نبی بنا کر بھیجا جو ان کی جنس سے ہے تو یہ پھر اس نبی کو بشر نہ ماننا کیا بے جابات

نہیں ہے۔

حضور ﷺ کو بشر سے خارج کر کے (اور ان تمام آیتوں کا انکار کر کے جن میں رسولوں کے بشر ہونے اور خود حضور ﷺ کے بشر ہونے کا اقرار ہے) نور ثابت کرنے کے لئے ایک آیت پیش کی ہے وہ یہ ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ	بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف
وَّكِتٰبٌ (پ:۹، مائدہ:۱۵)	سے ایک نور آیا اور روشن کتاب (ترجمہ مولانا احمد رضا خانصاحب)

اس کے بعد حاشیہ پر لکھا ہے ''سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور وہ حق واضح ہوئی''۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا ترجمہ یہ ہے:

یہ ترجمہ اگرچہ شیخ الہند نے مرتب کیا لیکن بنیادی ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر کا ہے۔ شیخ الہند نے صرف اس میں یہ تبدیلی کی کہ زمانہ گذرنے سے بہت سے الفاظ کا چلن ختم ہو چکا تھا ان کی جگہ موجودہ چالو الفاظ لکھے اور ترجمہ شاہ عبدالقادر کو سلیس بنا دیا ہے۔ ترجمہ کے بعد انہوں نے تفسیر لکھنی شروع کی لیکن ساڑھے ۴ پارے تک ہی کی تفسیر کر پائے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا بعد کو ان کے شاگرد مولانا شبیر احمد عثمانی نے یہ تفسیر پوری کی شاگردوں میں ان کو تفسیر اور علم کلام میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ انہوں نے اس آیت پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

''شاید نور سے خود نبی کریم ﷺ اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے''

انہوں نے ''شاید'' کا لفظ استعمال کیا ہے مگر چلئے اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ دیوبند والے بھی رسول اللہ کو نور مانتے ہیں اور یہ شکایت دور ہو گئی کہ دیوبند والے حضور ﷺ کو نور نہیں مانتے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حکیم الہند امام ولی اللہ دہلوی نے اس آیت کا کیا ترجمہ کیا ہے۔

قَدْجَاءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ — ہر آئینہ آمد بہ شما از جانب خدا

وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْن — نور سے و کتاب روشن یعنی قرآن

بیشک آیا تمہارے پاس خدا کی طرف سے

ایک نور اور ایک روشن کتاب یعنی قرآن

حضرت شاہ ولی اللہ نے نور اور کتاب دونوں سے قرآن مراد لیا ہے۔

اب ایک اور ترجمہ درج کیا جا رہا ہے جس سے یہ گرہ کھلتی نظر آرہی ہے مولانا محمد جونا گڑھی کا ترجمہ مع حاشیہ لکھ رہا ہوں:

قَدْجَاءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ لا يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے جس کے ذریعہ اللہ ہدایت دیتا ہے۔

حاشیہ: ''نور'' اور کتاب ''مبین'' دونوں سے مراد قرآن کریم ہے ان کے درمیان ''واؤ'' مغائرتِ مصداق نہیں مغائرتِ معنی کے لئے ہے اور یہ عطف تفسیری ہے جس کی واضح دلیل قرآن کریم کی اگلی آیت ہے یھدی به اللّٰہُ ' کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے'' اگر نور اور کتاب دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو الفاظ ''يَهْدِىْ بِهِمَا اللّٰه'' ہوتے ''یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ذریعہ ہدایت فرماتا ہے'' قرآن کریم کی اس نص سے واضح ہوگیا کہ نور اور کتاب سے مراد ایک ہی چیز یعنی قرآن کریم ہے یہ نہیں ہے کہ نور سے آنحضرت ﷺ اور کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔

وہ لوگ جو عربی زبان کے قواعد سے واقف نہیں ان کے لئے بتا دینا ضروری ہے کہ عربی قواعد میں ضمیر واحد (ایک کے لئے) ''ہ'' آیا ہے ''بہ'' معنی ''اس ایک کے ذریعہ نور اور کتاب سے ایک ہی چیز مراد ہے اس لئے ''بہ'' کہا گیا اور اگر نور سے مراد حضور ﷺ اور کتاب سے مراد قرآن کریم ہو تو یہ دو چیزیں ہوگئیں اگر یہاں دو چیزیں مانی جائیں تو ''بہ'' کہنا عربی قواعد سے غلط ہوگا بلکہ ''بِهِمَا'' (یعنی ان دونوں کے ذریعہ) ہوتا۔

اب میں دوبارہ اس آیت پر جو تفسیری حاشیہ پر مولانا نعیم مرآبادی کا ہے اس میں لکھا ہے ''سید عالم ﷺ کو ''نور'' فرمایا گیا کیونکہ آپ ﷺ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی''۔

یعنی نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے کفر کی تاریکی دور ہوئی اور حق کا راستہ صاف نظر آیا یہ مطلب نہیں کہ آپ نوری مخلوق ہیں اور بشر نہیں ہیں اور اس معنی میں حضور کے نور ہونے کا کسی کو انکار نہیں جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔

وہ لوگ جو حضور ﷺ کو بشر نہیں مانتے اور نوری مخلوق بتاتے ہیں انہوں نے ایک من گڑھت عقیدہ بنا رکھا ہے کہ حضور ﷺ ''نُورٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰہ ''نور ہیں خدا کے نور سے اور یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ — سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا وہ میرا نور ہے

اس حدیث سے اپنا مقصد ثابت کرنے کے لئے زور لگاتے ہیں لیکن یہ مقصد ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ (۱) یہ حدیث کسی بھی حدیث کی مستند کتاب میں نہیں ہے اس کو دلیل بنانا درست نہیں (۲) اور اس لئے بھی کہ اس حدیث سے ایک اور حدیث کا ٹکراؤ ہے جو صحیح حدیث ہے وہ یہ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہ اُلقَلَم — بیشک سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ قلم ہے

ترمذی شریف، ابوداؤد شریف یہ دونوں کتابیں حدیث کی چھ صحیح کتابوں میں سے ہیں ظاہر ہے اس صحیح روایت کے مقابلہ میں نور والی روایت قبول نہیں کی جاسکتی کیونکہ دونوں کو ملایا نہیں جاسکتا اس لئے کہ ''اَوَّل'' کے معنی سب سے پہلے کے ہیں اور جب صحیح حدیث سے قلم کا سب سے پہلے پیدا کیا جانا ثابت ہوگیا تو پھر دوسری چیز کا سب سے پہلا ہونا باطل ہے اس حدیث (قلم) کی تائید میں بڑے محدث البانی لکھتے ہیں:

فَالْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ بلا رَيْبٍ	پس حدیث صحیح ہے بیشک اور وہ ظاہر
وَهُوَ مِنَ الْاَدِلَّهِ الظَّاهِرَةِ عَلٰى	دلیلوں میں ہے مشہور (عوام میں)
بُطْلَانِ الْحَدِيْثِ الْمَشْهُوْرِ اَوَّلَ	حدیث کے باطل ہونے پر کہ جابر، اللہ
مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرَ نَبِيِّكَ يَا جَابِرُ	نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا
(تعلیقات المشکوٰۃ، جلد:۱، ص:۳۴)	کیا

(۳) اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ نور والی حدیث صحیح مان بھی لی جائے تب بھی اس سے حضور ﷺ کا نوری مخلوق ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کسی بات کو سمجھنے کے لئے عقل سے کام لینا ضروری ہوتا ہے قرآن میں خود بار بار غور وفکر کرنے خاص کر قرآن میں غور وفکر کرنے کی تاکید ہے۔ یہاں ایک اہم عقلی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا'' یعنی میرا نور کہہ کر حضور ﷺ نے نور کی نسبت اپنی طرف کی ہے قواعد کے لحاظ سے ''نور'' (مضاف (جس کی نسبت کسی کی طرف کی جائے) اور خود حضور ﷺ مضاف الیہ (جس کی طرف نسبت کی گئی) ہوئے)۔ مضاف، مضاف الیہ میں غیریت ضروری ہے ورنہ مضاف کرنا باطل ہوگا کیونکہ یہ چیز صاف اور واضح ہے۔ آپ کہتے ہیں میری کتاب اس میں کتاب مضاف اور آپ مضاف الیہ ہوئے دونوں ایک دوسرے کے غیر ہیں یعنی آپ خود کتاب نہیں ہو گئے اسی طرح میری گھڑی کہنے سے آپ گھڑی نہیں ہو گئے۔ اب اگر حضور ﷺ نے میرا نور فرمایا تو حضور ﷺ اور نور دونوں ایک نہیں ہو گئے ورنہ میرا کہنا باطل ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ خود نور نہیں ہیں بلکہ نور ایک جگہ چیز ہے جس سے حضور ﷺ کا تعلق ہے۔

آپ اعتراض کر سکتے ہیں یہ تو آپ خارجی چیز کی مثال دے کر غلط فہمی پیدا کر رہے ہیں۔

اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ چلئے میں اور مثالیں دیتا ہوں جو آپ ہی کے وجود

سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ کہتے ہیں میرے پاؤں میں درد ہے۔ پاؤں مضاف ہوا اور آپ مضاف الیہ۔ یہاں بھی مضاف مضاف الیہ میں غیریت ہے یعنی ایک طرف آپ کا پورا وجود ہے اور ایک طرف صرف پاؤں ہے اس میں غیرت پائی گئی اگر آپ کہیں کہ میرا سر سے پاؤں تک تکان سے چور چور ہو گیا اب تو آپ کہیں گے اس میں غیریت کہاں ہوئی؟ میں کہوں گا کہ میرا کہنے والا کون ہے؟ کیا یہ بدن ہے؟ جی نہیں یہ آپ کی روح ہے جو آپ کے بدن سے نکل جائے گی تب تو غیریت سمجھ میں آئے گی۔ اسی طرح زید مر جائے لوگ کہیں گے زید کی جان چلی گئی یہاں جان مضاف ہے زید کی طرف یہاں بھی غیر ہونا پایا جاتا ہے وہ اس طرح کہ زید مجموعہ ہے جان اور پورے بدن کا اور جان اس کا اس کا ایک حصہ ہے اس لئے زید پورے جسم و جان سمیت اور اس کے ایک حصہ صرف، جان میں غیریت پائی گئی اس لئے اگر وہ حدیث نور والی صحیح بھی مان لی جائے تو بھی رسول اللہ ﷺ نوری مخلوق قرار نہیں پا سکتے۔

یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ کسی چیز کی پہچان اس کی صورت، صفتوں اور خاصیتوں کے ذریعہ ہوتی ہے جیسے نمک ہے۔ صورت میں تو یہ چینی اور یوریا کے مشابہہ ہے لیکن نمک منہ میں میں ڈالیں اور وہ نمکین نہ ہو تو کوئی بھی اس کو نمک نہ مانے گا چینی بھی صورت میں نمک اور یوریا کے مشابہہ ہے مگر منہ میں ڈالیں اگر اس میں مٹھاس نہ ہو تو اس کو چینی کوئی نہیں مانے گا اسی طرح نور روشنی ہے اگر نور کہیں موجود ہو اور روشنی اس سے نہ پھیلے تو لوگ اس کو نور نہیں مانیں گے۔ کسی حدیث یا تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ حضور ﷺ اندھیری رات میں کہیں تشریف لے جاتے تو چاروں طرف دن ہو جاتا تاریکی ختم ہو جاتی ہر چیز صاف صاف نظر آتی تھی اس لئے حضور ﷺ کو نوری مخلوق قرار دینا "آدمی (بشر) سے خارج قرار دینا ہٹ دھری ہے۔

میرے سامنے وہ حدیث بھی ہے کہ حضور ﷺ کے چہرہ کے سامنے تاریکی میں سوئی لے جا کر اس میں تاگہ پیرو لیا جاتا تھا۔ روشنی تو جگنو میں بھی ہوتی ہے لیکن وہ نوری مخلوق نہیں ہے۔ یہ بات بھی کہ حضور کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ صاف شفاف شیشہ کا بھی سایہ نہیں ہوتا مگر وہ

نوری مخلوق نہیں۔حضور ﷺ جیسے فوق البشر (Super Man) کے لئے یہ باتیں معمولی ہیں۔حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؔ نے جہاں حضور ﷺ کو سید البشر، خیر البشر لکھا ہے وہیں اپنے خطبات میں نور، نور علی نور عین نور لکھا ہے۔حضور ﷺ کی نیابت میں علماء ہدایت کا نور پھیلاتے ہیں ان سے بڑھ کر تمام نبیوں کا نور ہے اور سب سے بڑھ کر سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کا نور ہے اس لئے نور علیٰ نور بالکل درست ہے اور عین نور کہنا ایسا ہی ہے کہ کسی بہت بڑے عادل (انصاف ور) کو عَدْل (انصاف) کہنا علم بلاغت اور قواعد کے لحاظ سے درست ہے۔حضور ﷺ کی نورانیت اس قدر غیر محدود ہے کہ ہم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اس لئے ان کو نور کہہ کر صبر کر لیتے ہیں۔

اب رہ جاتی ہے بات کہ حضور کو "نور من نور اللّٰہ" کہا جاتا ہے۔اب اس کے مطلب پر بھی غور کر لیتے ہیں۔اللہ نے خود کو "نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) اب اگر ہم یہ کہیں کہ حضور ﷺ بھی خدا ہی کی طرح نور السمٰوٰت والارض ہیں یہ کھلا شرک ہوگا اس لئے کوئی مومن ایسا کہہ نہیں سکتا تو اب غور کرتے ہیں کہ "من نور اللّٰہ" کے کیا معنی ہیں: ظاہر ہے اللہ کے نور میں سے کا مطلب ہے اللہ کے نور کا بعض حصہ کیوں کہ "مِنْ" بعض کے لئے آتا ہے تو کیا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے نور کے بعض حصہ کو کاٹ کر حضور ﷺ کا وجود بنایا گیا تب تو یہ عیسائیوں کے عقیدہ خدا کا بیٹا سے بڑھ کر یہ شرک ہو گیا یعنی یہ کہ حضور ﷺ خدا کے نور کا جو سراسر غیر مخلوق ہے ایک حصہ ہو گئے یعنی حضور ﷺ بھی غیر مخلوق ہوئے اور ذات خداوندی کا ایک حصہ ہو گئے یہ بھی شرک ہے۔پھر آخر کیا مطلب لیا جائے گا۔اب اس مشہور قول کی طرف لوٹتے ہیں وہ ہے:

اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ — سب سے پہلے اللہ نے جو چیز پیدا کی وہ میرا نور ہے

یعنی حضور ﷺ کا نور نہ تو کل خدا کا نور ہے نہ اس نور خدا غیر مخلوق کا حصہ بلکہ یہ نور مخلوق ہے یعنی اس کو خدا نے پیدا کیا ایسی صورت میں مِنْ نُورِ اللّٰہ (اللہ کے نور سے بعض حصہ) کہنا

بے معنی ہو جائے گا۔

ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کا بنایا ہوا نور مراد ہے تو پھر نور کہہ دینا کافی ہوگا کیوں کہ ہر چیز تو اللہ کی بنائی ہوئی ہے پھر من نور اللہ کہہ کر یہ مغالطہ پھیلانے کی کیا ضرورت ہے کہ لوگ اس وہم میں مبتلا ہو جائیں کہ ذات خداوندی کے نور کا حضور ﷺ ایک ٹکڑا ہیں۔ بحث کو اور بھی طویل کیا جا سکتا ہے۔ مگر وقت ضائع ہوگا اور پھر دوبارہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی کا حاشیہ بہ ترجمہ احمد رضا خانصاحب کو نقل کر کے بحث کو ختم کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ:

''سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نوری مخلوق نہیں ہیں اور یہ بالکل درست ہے اس سے کسی کو انکار نہیں۔

ایسے اختلافی مسائل جن میں بریلویوں سے اختلاف ہے:

اب ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن میں حضرت لطیفیؒ کا بریلویوں سے اختلاف ہے:

(۱) علماء اور مشائخ کا ہاتھ چومنا:

''رقعات لطیفہ'' ایک چھوٹی سی کتاب حضرت لطیفیؒ کی ہے جو انہوں نے اپنے سب سے بڑے صاحبزادے سید امام مظفر کی تعلیم کے لئے خطوں کی صورت میں لکھی ہے سوال و جواب کی صورت میں۔ سوال یہ ہے کہ: علماء صلحاء فقرا و مشائخین و اُمرائے زماں اور عام مسلمانوں کا ہاتھ چومنا کیسا ہے یہ سب فارسی زبان میں ہے اس کی جواب میں حضرت لطیفیؒ نے پانچ مسلک درج کئے ہیں۔

(۱) کراہیت تقبیل عام (یعنی کسی کا بھی ہاتھ چومنا مکروہ ہے) یہ مسلک حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔

(۲) جواز مطلق تقبیل: ہاتھ چومنے کی اجازت جبکہ برکت حاصل کرنا مقصود ہو، عالم، صوفی یا عادل بادشاہ کا ہاتھ چومنا۔

(۳) رخصت تقبیل: ہاتھ چومنے کی اجازت جبکہ برکت حاصل کرنا مقصود ہو، عالم، صوفی یا

عادل بادشاہ کا ہاتھ چومنا۔

(۴) کراہیت تقبیل: اس صورت میں کہ برکت حاصل کرنا مقصود نہ ہو بلکہ دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے بطور خوشامد ہاتھ چومے۔

(۵) عدم کراہیت تقبیل عموماً نسبت مطلق اہل اسلام از خواص و عام۔

یعنی عام مسلمان ایک دوسرے کا ہاتھ چومیں جبکہ نیت مرد مسلم کی تعظیم مقصود ہو۔

ان مسلکوں کو لکھنے کے بعد حضرت لطیفیؒ نے اپنی رائے ان الفاظ میں لکھی ہے۔

پس از تمہید ایں سخناں نیک بدانید	بس ان باتوں کی تمہید کے بعد خوب جان لو
و بہر چہ توانید طریق اسلم رامگذارید	اور جس طرح بھی سکو سیدھی راہ کو نہ چھوڑو
و بہر روش صراط مستقیم احتیاط را نیک نگاہ دارید	اور ہر روش میں احتیاط کی سیدھی راہ کو نظر میں رکھو
آرے اندریں مسئلہ مقتضائے احتیاط ہمیں بود کہ	ہاں اس مسئلہ میں احتیاط کا تقاضا یہی ہوگا کہ
عموماً از تحتِ تقبیل حذر کردہ شود	عام طور پر ہاتھ چومنے کی تحیت سے پرہیز کیا جائے
چہ کہ معلوم دانشمنداں ست ہرگاہ	اس لئے کہ عقلمندوں کو معلوم ہے کہ جہاں کہیں
بعملیکہ بہ نسبت کردن و نا کردنش	کسی عمل کے کرنے اور نہ کرنے کے متعلق
اختلاف علماء عیاں گشت پس بے گماں	علماء کا اختلاف ظاہر ہو جائے پس بے شک
در نا کردنش از خوف و خطر امان است	اس کام کے نہ کرنے میں خوف و خطر سے حفاظت ہے
ہاں ہاں تعظیم و اکرام بزرگاں	ہاں ہاں بزرگوں کی تعظیم اور ان کا اکرام
بل تکریم جملہ مسلمانان بعنوانیکہ	بلکہ اکرام تمام مسلمانوں کا اس طریقہ سے کہ
ہیچ وجہ برخلاف طریق شریعت	کوئی طریقہ شریعت کے طریقہ کے خلاف
برنیاید از تن و جاں باید	ظاہر نہ ہو جسم و جاں سے کرنا چاہیئے

غرض حضرت لطیفیؒ نے اخیر میں اپنا فیصلہ یہی دیا کہ چونکہ اس معاملہ میں علماء کا اختلاف ظاہر ہوگیا ہے اس لئے اس کو نہ کرنا چاہیئے علماء و مشائخ کی عزت دل و جان سے کرنی چاہیئے مگر ایسے طریقوں سے پرہیز کرنا چاہیئے جن پر شریعت کی طرف سے اعتراض ہو۔

اسی ضمن میں مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ نے ایک اہم اصول بھی بتا دیا کہ جس کام کے کرنے نہ کرنے میں علماء کا اختلاف ظاہر ہو جائے اس کے نہ کرنے ہی میں خوف و خطر سے امان ہے یہ اصول بہت سے مقامات میں کام آسکتے ہیں۔

جب ہاتھ چومنے کو حضرت لطیفیؒ منع کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ قدم چومنے کے متعلق اور زیادہ سختی سے منع کریں گے۔

غرض یہ مسئلہ علمائے بریلوی کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ علماء و مشائخ کا ہاتھ چومنے کی تلقین کرتے ہیں۔

(۲) دوسرا اختلافی مسئلہ: صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ جس کے بریلوی حضرات قائل ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ رقعات لطیفہ میں مصافحہ کے متعلق سوال کرنے پر حضرت لطیفیؒ نے یہ لکھا:

اما زمانِ مصافحہ زمانے بود کہ	لیکن زمانہ مصافحہ کا ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ
اندراں زماں دو کس از مسلماناں	جس زمانے میں دو شخص مسلمانوں میں سے
باہم و اخورند خواہ ہر دو از	باہم ملاقات کرتے ہیں خواہ دونوں
شہرتا شاں باشند و یکے از نیاں	ایک ہی شہر (یا گاؤں) کے ہوں اور ایک ان میں سے
از سفر رسیدہ باشد	سفر سے واپس آیا ہو
ویا ہر دو از حاضران شہر بوند	یا دونوں شہر کے حاضرین میں سے ہوں
و پس مرور روزے چند	اور چند دن گذرنے پر
باہم چشم چار شوند	ایک دوسرے سے ملے ہوں

وخواہ شہر و وطن یکے غیر شہر و وطن دیگرے بود	یا چاہے ایک کا شہر اور وطن دوسرے کے شہر و وطن کا غیر ہو
و یکے بزیارت دیگرے برود	اور ایک دوسرے سے ملاقات کے لئے جائے
بالجملہ اندریں صورتہا ہنگام واخوردن	حاصل کلام ان صورتوں میں وقت ملاقات
پس لمز سلام گفتن بہ تحیت مصافحہ بہ پردازند	سلام کہنے کے بعد مصافحہ کی تحیت میں مشغول ہوتے ہیں
ہاں باہم آمیختگاں کسانیکہ	ہاں آپس میں مل جل کر رہنے والوں کے ساتھ جو لوگ
بعد از نماز بامداد و پس از نماز دیگر	بعد نماز فجر یا دوسری نماز کے بعد
بمصافعہ بایکدیگر خوگیر بودہ اند	ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کے عادی ہو گئے ہیں
ہماناں بکارے نہ از دلیل بل از سواء السبیل رونمودہ اند۔	یہ لوگ نہ دلیل کے کسی کام سے بلکہ راہ راست سے بھٹکے (یا پھرے ہوئے) ہیں
آرے چنیں عادت خالی از بدعت نبود	ہاں ایسی عادت بدعت سے خالی نہ ہوگی
بل اہل سنت را باید کہ از چنیں کردار محترز شود	بلکہ اہل سنت کو چاہیئے کہ اس طرح کے کام سے پرہیز کرنے والا ہو

خلاصہ یہ کہ حضرت لطیفیؒ سے مصافحہ کی فضیلت یا سنت ہونے کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا تھا اس لئے انہوں نے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا اس لئے کہ یہ باتیں سب کو معلوم ہیں۔ جس سلسلہ میں سوال تھا اس کا جواب انہوں نے دیا اسی خط میں ایک مسئلہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا مسئلہ ہے تو حضرت لطیفیؒ نے حنفیوں کے مسلک کے مطابق جواب دیا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہیئے۔ میں نے مصافحہ کے موقع اور زمانہ کی بحث کو اس لئے نقل کیا کہ اسی میں اختلاف ہے مولانا کی باتوں کا حاصل یہ ہے کہ مصافحہ کا زمانہ ہے کہ دو مسلمان آپس میں ملاقات کریں دونوں ایک ہی شہر (یا گاؤں) کے رہنے والے ہوں ایک

سے سفر سے واپس آیا ہو یا دونوں ایک ہی شہر کے رہنے والے ہوں اور چند دن گذرنے پر آپس میں ملاقات کر رہے ہوں یا الگ الگ شہر (یا گاؤں) کے ہوں اور ایک شخص دوسرے سے ملاقات کو جائے تو سلام کے بعد مصافحہ کرتے ہوں۔

لیکن ایک ساتھ رہنے والے لوگ جو فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنے کی رسم بنا کر عادی ہو گئے ہیں۔ مولانا اس رسم کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے بعض تہی مغز متعصب حضرات مولانا کی بات پڑھ کر شور مچا دیں گے کہ یہ تو مصافحہ کو بدعت قرار دیتے ہیں جبکہ مصافحہ سنت ہے اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ لیکن ذرا ہوش کے ناخن لیجئے اور ٹھنڈے دل دماغ سے سوچئے کہ حضرت لطیفی مصافحہ کو بدعت نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ مصافحہ کے موقعوں کو بیان کر رہے ہیں کہ اس کے لئے زمانہ، وقت اور موقع کیا ہے۔ مصافحہ کا وقت جیسا کہ اوپر بتایا گیا ملاقات کے وقت سلام کے بعد فوراً ہے یہ کسی گھڑی گھنٹہ یا کسی کام یا کسی نماز کے بعد کے وقت کے ساتھ بندھا ہوا نہیں ہے۔

حضرت لطیفی فرماتے ہیں کہ اس کو کسی نماز مثلاً فجر وعصر کی نماز کے بعد کے ساتھ مقرر کر دینا بدعت ہے، ہوتا یہ ہے کہ فجر کے وقت نماز کو لوگ نکلے آمنا سامنا ہوا سلام کیا مگر مصافحہ نہیں۔ اب جب نماز ختم ہوئی تو مصافحہ کرنے لگے جیسے شریعت نے مصافحہ کے لئے یہی وقت مقرر کر دیا ہو حضرت لطیفی اسی کو بدعت قرار دیتے ہیں نہ کہ مصافحہ کو۔

(۳) جمعہ میں اذان ثانی میں بریلی علماء سے اختلاف:

حضرت لطیفی نے اپنی کتاب میں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا لیکن ان کی مسجد میں ان کے وقت سے ان کے صاحبزادے حضرت شاہ مخدوم شرف الہدیٰ وحضرت خواجہ وحید اصغر رحمہا اللہ کے وقت تک یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی تھی اور جمعہ کی امامت کبھی مخدوم صاحب کبھی خواجہ صاحب کرتے تھے تو برابر دیکھا گیا کہ یا تو ممبر کے سامنے جو مسجد کا دروازہ ہے جو دو ہی صفوں کے بعد ہے وہاں اور کبھی اگلی صف میں امام کے سامنے ممبر کے قریب اس سے معلوم ہوا کہ یہ

طریقہ حضرت لطیفی کے وقت ہی سے جاری رہا تھا۔اور یہی طریقہ میتن گھاٹ، بارگاہ عشق، درگاہ شاہ ارزاں، خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، درگاہ حضرت نظام الدینؒ، دہلی، حضرت قطب صاحب دہلی، حضرت خواجہ اجمیری کی مسجدوں میں جاری ہے اس سلسلہ میں میں نے ایک طویل فتویٰ لکھا ہے فقہ کی کتابوں اور حدیث کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ اذان ممبر کے پاس۔ امام کے سامنے ہونی چاہئے۔

(۴) بعد دفن قبر پر اذان: یہ بھی نو ایجاد مسئلہ ہے جس کو رواج دینے والے بریلوی علماء ہیں مولانا لطیفی نے نہ کہیں قبر پر اذان دلوائی نہ ان کی خانقاہ میں دفن کے بعد کسی کی قبر پر اذان دی گئی اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت لطیفی کا یہ دستور نہیں تھا نہ کہیں انہوں نے اس کے متعلق کچھ لکھا ہے۔غرض یہ بھی علمائے بریلی کے مسلک کے خلاف اور علمائے دیوبند اور تمام حنفیوں کے موافق ہے۔

(۵) صدقۂ فطر (فطرہ) کی مقدار میں دونوں (دیوبندی بریلوی) سے اختلاف خطبات حضرت لطیفی میں رمضان کے پانچویں خطبہ میں صاع کا وزن درج کیا گیا ہے الفاظ یہ ہیں:

الصاع ثمانية ارطال والرطل عشرون استار والاستار اربعة مثاقيل: یعنی ایک صاع ۸ رطل، ایک رطل برابر

۲۰-استار اور ایک استار برابر ۴ مثقال۔ یہ تمام وزن عرب کے ہیں ہمارے یہاں جو وزن چالو ہے اس کے مطابق:

۱ مثقال برابر ½۴ ماشہ، ۱ استار برابر ۱۸ ماشہ یعنی ½۱ تولہ

۱ رطل برابر ۳۰ تولہ ۸ رطل برابر ۲۴۰ تولے یعنی ایک صاع تو اس کا آدھا ۱۲۰ تولے اسّی کے وزن سے ڈیڑھ سیر۔

علمائے دیوبند کا فتویٰ اَسّی کے وزن سے پونے دو سیر کا ہے غرض مقدار فطرہ میں

مولانا کی اپنی تحقیق یہی ہے میں نے اپنے پھوپھا حضرت مولانا وصی الدین صاحب سیتلپوری سے اس سلسلہ میں بات کی تو انہوں نے بتایا کہ حضرت لطیفیؒ کے وقت سے ہم لوگ آس پاس کے گاؤں والے اور رحمٰن پور والے بھی عام فتویٰ کے مطابق پونے دوسیر دیتے رہے حضرت لطیفیؒ کے انتقال کے بعد جب گیہوں کی قیمت ایک آنہ سیر یعنی ۴ پیسے میں ایک سیر تھی تو لوگ پونے دو آنے کی بجائے ۲ آنے ہی دینے لگے۔ اس طرح دوسیر دینے کا رواج یہاں ہوگیا۔

جبکہ علمائے بریلی کے نزدیک اسی کے وزن سے دوسیر سے بھی زیادہ ہے

اختلاف کی وجہ یہ کہ صاع دراصل تولنے ترازو کے وزن کرنے کی چیز نہیں بلکہ برتن ہے۔ قرآن حکیم میں سورۂ یوسف میں اس کا ذکر ہے۔

بادشاہ کا صاع ہم سے کھوگیا ہے۔

یعنی حضور ﷺ کے زمانہ سے بہت پہلے سے برتن سے غلہ کے لین دین کا رواج تھا اور ظاہر ہے کہ الگ الگ علاقہ کے برتن الگ الگ ہوتے تھے۔ ہمارے ضلع پورنیہ (سابق) میں الگ الگ علاقہ میں الگ الگ وزن کا برتن ہوتا تھا کہیں ۲۰ سیر کا کہیں ۱۶ سیر کا تو کہیں دس سیر کا۔ کہنے کا مطلب یہ کہ فطرہ کے مقدار میں مولانا لطیفیؒ نظریاتی طور پر دیوبند بریلی دونوں کے خلاف ہیں مگر عمل کے اعتبار سے علمائے دیوبند کے مطابق پونے دوسیر دیتے تھے۔

(۶) میلاد میں قیام ضروری نہیں: میلاد کا مسئلہ بھی تقریباً اختلافی ہے۔ تقریباً اس لئے کہ مولانا اشرف علی تھانوی بھی ایک زمانہ میں میلاد کرتے تھے یعنی سیرۃ پر تقریر کرتے تھے اور قیام بھی کرتے تھے۔ لیکن جب لوگوں نے اس کو ایک رسم بنالیا اور قیام پر اس قدر زور دینے لگے کہ جیسے واجب ہو اور نماز ترک کرنے والے کو اتنا برا نہیں مانتے تھے جتنا کہ قیام ترک کرنے والے کو، تو تھانوی صاحب نے دیکھا کہ یہ رسم میلاد حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ کرنے کے قریب ۵ سو سال بعد سے شروع ہوئی پہلے اس کو مستحب پھر بعض نے سنت اور اخیر میں واجب کا درجہ دیدیا خاص کر ''قیام کو'' تو مولانا تھانوی نے میلاد کرنا چھوڑ دیا کہ اب لوگ اس پر اتنا زور

دینے لگے کہ اس کو ایک عبادت کا درجہ حاصل ہو رہا ہے۔ اور اس لئے بدعت ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ سیرۃ کا بیان یا ولادت کا بیان بدعت ہے بلکہ ایک خاص رسم جس کا رکن قیام شدومد مانا جاتا ہے یہ شکل بدعت ہے جبکہ اس رسم کو ثواب کا سبب مانتے ہیں اور نہ کرنے والوں کو گمراہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت لطیفیؒ میلاد کرتے تھے یعنی سیرت پر تقریر کرتے اور لوگوں کو دین پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے تھے مگر قیام کو ضروری نہیں جانتے تھے۔ یہ واقعہ مجھ کو ماسٹر معین الدین صاحب مرحوم سے معلوم ہوا منشی مولا نا بخش صاحب حضرت لطیفیؒ کے مرید تھے اور اہل حیثیت تھے ان کا مکان مہانندہ ندی کے کنارے تھا برسات میں وہ جگہ کٹ گئی جہاں ان کا گھر تھا دریا بہت قریب آ گیا تو دریا سے دور جا کر انہوں نے بود و باش کے لئے گھر بنائے اسی سلسلہ میں حضرت لطیفیؒ کو دعوت ہوئی حضرت تشریف لے گئے اور سیرۃ پر تقریر کی اور قیام نہیں کیا کسی نے باادب عرض کیا حضور قیام نہیں ہوا تو حضرت نے فرمایا کچھ جھڑکنے کے انداز میں کیا قیام ضروری ہے۔ غرض ان کا یہ طرز عمل اور خیال بریلوی علماء کے خلاف ہے۔

(۷) **شب برأت منانا:** عام طور پر شب برأت منانا عوام کے نزدیک حلوا روٹی بنانا بانٹنا اور کھانا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اور لوگ دیوالی کی نقل کرتے ہوئے چراغاں کرتے ہیں بہت سے چراغ یا موم بتیاں بہت سی اِدھر اُدھر جلاتے ہیں بالکل دیوالی کی طرح ان رسموں کو بریلوی علماء کی حمایت حاصل ہے۔ جبکہ حضرت لطیفیؒ اپنی کتاب لطائف حفظ السالکین (جو اپنے مریدوں کی ہدایت اور تعلیم کے لئے لکھی ہے اور بدعتوں سے بچانے کے لئے تصنیف کی ہے جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا) میں اس رات کی فضیلت بتاتے ہوئے اس رات (پندرہویں شعبان کی) کو نماز پڑھنے اور ۱۵ شعبان کا روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے اور کسی بات کا حکم نہیں دیا۔

(۸) **نماز میں اقامت کے وقت کب کھڑا ہو؟** اب لوگوں نے اس میں بھی اختلاف پیدا کر دیا ہے حضرت لطیفیؒ کے وقت سے ان کے صاحبزادوں کے زمانے تک بلکہ اس

کے بعد بھی کچھ عرصہ طریقہ یہی رہا کہ جب امام مصلیٰ پر امامت کے لئے اپنی جگہ کھڑے ہو گئے تب موذن امام کے پیچھے اقامت کہتا اور موذن کے ساتھ تمام مقتدی بھی کھڑے ہو جاتے تھے لیکن اب جبکہ گھر کے کچھ لوگ بریلوی مدرسوں سے پڑھ کر آئے تو حضرت لطیفیؒ کے وقت سے رائج طریقہ کو بدل دیا اور یہ صورت رائج کر دی کہ موذن تو کھڑا ہو کر اقامت کہتا ہے امام بھی کھڑے رہتے ہیں لیکن باقی مقتدی بیٹھے رہتے ہیں اور جب موذن حی علی الصلوٰۃ یا قد قامت الصلوٰۃ کہتا ہے تب سب مقتدی کھڑی ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں شرح وقایہ کی ایک عبارت سے رہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے:

وَيَقُوْمُ الْاِمَامُ وَالْقَوْمُ عِنْدَ حَیّٰ	اور کھڑا ہوا امام اور قوم حیّ علی الصلوٰۃ کے
عَلَی الصَّلٰوۃ وَيَشْرَعُ عِنْدَ قَدْ	وقت اور شروع کرے نماز قامت الصلوٰۃ
قَامَتِ الصَّلٰوۃ (ص:۱۰۰)	کے وقت

اس پر حاشیہ ہے ''اور کھڑا ہوا امام یعنی اپنی جگہوں سے اپنی صف کی طرف اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ لوگ جب مسجد میں داخل ہوں تو کھڑے رہ کر نماز کا انتظار کرنا ان کے لئے مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائیں اپنی جگہ پھر کھڑے ہوں حی علی الصلوٰۃ کے وقت اور ''یشرع قد قامت'' پر حاشیہ ہے یعنی قد قامت سے ذرا دیر پہلے نماز شروع کرے امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف کے نزدیک قد قامت کہنے کے بعد شروع کرے پھر اس کے بعد حاشیہ میں یہ لکھا ہے ''اور اختلاف افضل ہونے میں ہے اس کی وجہ یہ کہ یہ خبر دینی ہے نماز کے قیام کی پس مناسب ہے شروع کرنا اس وقت (قد قامت الصلوٰۃ کے وقت) جس کے معنی ہیں نماز کھڑی ہو گئی۔ اب ایک حاشیہ حی علی الصلوٰۃ پر ہے اس کے معنی ہیں آؤ نماز کے لئے۔ اس لئے کہ اس قول میں طلب ہے حاضرین کے لئے پس مناسب ہے کہ اس کا جواب عمل سے دیں اور لوگ آمادہ ہو جائیں نماز کے لئے''۔

اب ہم جائزہ لیتے ہیں اس تمام یعنی متن شرح وقافیہ اور حاشیہ سے یہ باتیں معلوم

ہوتی ہیں:

(۱) پہلی بات تو یہ کہ اختلاف افضل ہونے میں ہے جائز ناجائز کی بات نہیں۔

(۲) کھڑا ہو ''حی علی الصلوٰۃ کے وقت'' اس قول کا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

(۳) نماز شروع کرے ''قد قامت الخ'' سے ذرا پہلے یا بعد کو اس میں حوالہ اماموں کا ہے۔

(۴) اور بعد کے حاشیہ میں یہ نکتہ بتایا ہے کہ (الف) حی علی الصلوٰۃ میں بلاوا ہے نماز کے لئے تو مناسب ہے کہ اس کا جواب عمل سے دیں اور کھڑے ہو جائیں (ب) قد قامت الصلوٰۃ میں نماز قائم ہونے کی خبر ہے تو اسی وقت شروع کرنا مناسب ہے۔ یہ سمجھ لیا جائے کہ ''قد قامت الصلوٰۃ'' میں اختلاف نہیں ہے اس جملہ سے پہلے یا درمیان یا بعد کو نماز ہر جگہ شروع ہو جاتی ہے۔

لیکن عملاً اخلاف ہے اقامت شروع کرتے وقت اکثر لوگ کھڑے شروع ہی سے ہو جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ بیٹھے رہتے ہیں اور حی علی الصلوٰۃ کہنے پر کھڑے ہوتے ہیں اور اس پر علماء بریلی کا عمل ہے۔

لیکن میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ اختلاف دیوبند اور بریلی کا ہرگز نہیں اس لئے کہ میں ۱۹۴۵ء میں جب بھاگلپور، پورنی میں مولانا سہول صاحب سے ملا تو انہوں نے کہا کہ امتثال امر کا مظاہرہ یعنی حکم ماننے کا مظاہرہ اس میں ہوتا ہے کہ بلایا گیا نماز کے لئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ مولانا سہول نہ صرف فاضل دیوبند بلکہ وہاں مفتی اعظم بھی رہ چکے تھے۔ ظاہر ہے یہ اختالف دیوبندی بریلوی کا نہیں ہے۔

اب سنئے میں وہاں سے دیوبند گیا تو وہاں کے شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے کہا کہ ہاں اس میں نکتہ تو ہے کہ بلایا گیا اور کھڑے ہوئے اس سے حکم ماننے کا مظاہرہ ضرور ہوتا ہے مگر یہ کہ جو شخص اسی حکم پر عمل کرنے کے لئے پہلے ہی سے کھڑا ہو گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے تو حکم ماننے کا مظاہرہ زیادہ ہوتا ہے اور جب حی علی

الصلوٰۃ پر کھڑے ہوں گے اور قد قامت پر نماز شروع کرنی ہے۔ حی علی الصلوٰۃ کہتے کہتے تو آدمی کھڑا ہوگا اور ۲ دفعہ حی علی الفلاح کہا جائے گا تو اس میں اتنا وقت کہاں رہتا ہے کہ صفیں سیدھی کی جائیں جبکہ صفیں سیدھی کرنے کی حدیثوں میں بہت تاکید ہے۔

تَصْوِيَةُ الصَّفُوْفِ مِنْ اِقَامَتِ الصَّلٰوۃ	صفوں کا برابر کرنا اقامت صلوٰۃ کا جز ہے

قرآن حکیم میں بار بار ''اقیموا الصلوٰۃ'' کے الفاظ آئے ہیں نماز پڑھنے کا صرف نہیں بلکہ نماز قائم کرنے کا حکم ہے، یعنی نماز کے لئے اصول وضوابط، وقت کی پابندی نماز و جماعت کا اہتمام اور تمام آداب وغیرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اور اپنے لوگوں کو نماز کا حکم دینے اور ایک فضا نماز کی پابندی اہتمام کے ساتھ یہ چیزیں سب اقامت میں داخل ہیں۔ ظاہر ہے حی علی الصلوٰۃ سے قدقامت الصلوٰۃ کہنے میں ۵-۶ سکنڈ کا وقت لگتا ہے اتنے کم وقت میں صفوں کو درست کرنا کیسے ممکن ہوگا ایک اور حدیث میں ہے:

فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصَّفِ مِنْ تَمَامِ الصَّلٰوۃ	بیشک صف کا برابر کرنا نماز کی تکمیل ہے

ایک اور حدیث ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	رسول اللہ ﷺ داخل ہوتے تھے صفوں
وَسَلَّمْ يَتَخَلَّلُ الصَّفُوف مِنْ	کے درمیان ایک کنارے سے دوسرے
نَاحِيَةٍ اِلٰى نَاحِيَةٍ يَمْسَحُ صُدُوْرَنَا	کنارے تک مسح کرتے ہمارے سینوں
وَمَنَاكِبَنَا (ابوداؤد ونسائی)	اور مونڈھوں کو

ان حدیثوں کو ذہن میں رکھئے اور پھر اس حدیث پر غور کیجئے:

اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوۃ فَلَا تَقُوْمُوْا	جب نماز قائم کی جائے پس نہ کھڑے ہو
حَتّٰى تَرُوْنِى قَدْ خَرَجْتُ	یہاں تک کہ دیکھ لو کہ میں نکل گیا ہوں
وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ (صحاح ستہ)	اور تم سکون کو لازم پکڑو

ایک صاحب نے میرے پاس ایک سوال بھیجا جس میں یہی مسئلہ پوچھا تھا کہ

کب کھڑے ہوں، وہ صاحب مولوی تھے اور ایک حدیث لکھ کر اپنی رائے ظاہر کی تھی، وہ یہ ہے:

لَا تَقُوْمُوْ حَتّٰی تَرَوْنِی عَنْدَ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ — تم لوگ نہ کھڑے ہو جب تک کہ مجھے نہ دیکھ لو حی علی الصلوٰۃ کے وقت

میں نے یہ ٹکڑا ''عند حی علی الصلوٰۃ'' کی تلاش کی جو نہیں ملی تو میں نے ان سے پوچھا کہ یہ ٹکڑا مجھے نہیں ملا آپ بتائیے کہ کہاں سے نقل کیا ہے مگر جواب نہیں ملا۔ اس لئے میرے خیال میں یہ ٹکڑا بے سند ہے صاحب شرح وقایہ نے اس کا کوئی حولہ نہیں دیا صرف نماز شروع کرنے کے متعلق امام اعظم اور صاحبین کا حوالہ ہے۔

اب اس آخری حدیث پر ہم غور کرتے ہیں کہ جب نماز قائم کی جائے تو جب مجھے دیکھو کہ (حجرہ سے) نکل گیا ہوں تب کھڑے ہو (حجرہ مسجد سے متصل تھا حجرہ سے نکل کر مسجد میں داخل ہوتے تھے۔ تو کیا اقامت پہلے شروع ہو جاتی تھی لوگ بیٹھے رہتے اور جب حضور حجرہ سے باہر مسجد میں تشریف لاتے تب سب لوگ کھڑے ہوتے۔ مگر کس وقت ظاہر ہے اس میں حضور ﷺ کے نکلنے کا وقت درج نہیں۔ اللہ اکبر کے وقت نکلنے اشھدان لا الہ یا اشھدان محمداً کے وقت غرض اقامت کے کسی بھی لفظ کے وقت نکل سکتے تھے تو پھر ''حی علی الصلوٰۃ'' کے وقت کھڑا ہونا کہاں ثابت ہوا بلکہ اس حدیث سے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ اقامت شروع ہوگئی اور حضور ﷺ کسی ضرورت میں مصروف ہوں اور اقامت کے بعد نکلیں تو سب بیٹھے رہیں گے تو پھر نہ تو حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہونا ہوگا نہ قد قامت کے وقت نماز شروع کرنا اس لئے اس حدیث کا مفہوم درست طور پر سمجھنے کے لئے کچھ محذوف ماننا ہوگا۔ وہ اس طرح کہ اذا قمیت الصلوٰۃ کا مطلب اقامت کہنا نہیں بلکہ مراد ہے اِذَا قَرُبَ وَقْتُ اِقَامۃِ الصَّلوٰۃ (یعنی جب اقامۃ کا وقت قریب ہو) پوری حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ لوگ اذان کے بعد سنتوں سے فارغ ہو کر کھڑے ہو کر انتظار کرتے حضور حجرہ سے باہر تشریف لائیں تو نماز کے لئے اقامت کہی جائے اور ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں گھڑی تو نہ تھی کہ منٹ اور

سکنڈ کے لحاظ سے حضور ﷺ باہر تشریف لاتے جن نمازوں سے پہلے سنت نہیں جیسے عصر تو اس میں نفل پڑھ کر نکلتے ہوں گے تو دیر ہوتی ہوگی اور لوگوں کا پہلے ہی سے کھڑے ہونا حضور ﷺ کو شاق گذرتا ہوگا اس لئے فرمایا کہ تم بیٹھ کر انتظار کرو اور جب میں باہر نکلوں تب کھڑے ہو تو اس صورت میں سب کا اقامت سے پہلے ہی کھڑا ہونا ثابت ہوگا کیوں کہ حضور ﷺ کو نکلتے دیکھ کر سب کھڑے ہو جاتے ہوں گے جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے پھر حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہونا کہاں سے ہوا۔ اب اس حدیث پر غور کیجئے جو پہلے گذری (ترجمہ)۔

رسول اللہ ﷺ صفوں کے درمیان داخل ہوتے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک مسح کرتے ہمارے سینوں اور مونڈھوں کو یعنی صفوں کو سیدھا کرنے کے لئے حضور ﷺ اقامت کے وقت جبکہ سب مصلی کھڑے ہوتے تو صفوں کے درمیان جاتے جو آگے ہوتا اس کے سینہ کو ہاتھ سے چھو کر پیچھے کر دیتے اور جو پیچھے ہوتا اس کا مونڈھا پکڑ کر آگے قطار کے برابر کر دیتے ظاہر ہے جب سب لوگ شروع ہی سے کھڑے ہوں تب ہی صفیں سیدھی اس طرح کی جا سکتی تھیں اور پھر صفوں کے درمیان پھرنا اب سوچنے کی بات ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہونے اور اس کے بعد دو مرتبہ حی علی الصلاح کہا گیا اور فوراً ''قد قامت الصلوٰۃ'' کہتے ہی نماز شروع کر دینی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ۳-۴ الفاظ کہنے کی مدت میں صفوں کے درمیان گھوم کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک لوگوں کو آگے پیچھے ہٹا کر صفوں کو سیدھی کرنا ممکن ہے جب تک کہ لوگ شروع ہی سے کھڑے نہ ہو گئے ہوں کیونکہ بیٹھی ہوئی صورت میں صفیں درست نہیں کی جا سکتی ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ: حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہونے میں صرف ایک نکتہ ہے کہ حکم پر عمل کرنے کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن جو پہلے ہی سے حکم پر عمل کرنے کو کھڑا ہے تو اس نے تو اور زیادہ حکم ماننے کا مظاہرہ کیا اس لئے یہ نکتہ قائم نہیں اور پھر یہ کہ صفوں کے درست کرنے کا نہ صرف حکم ہے بلکہ حضور ﷺ اس کا خود اہتمام فرماتے تھے تو حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہونے

سے صفوں کو برابر کرنا ممکن نہیں جس کی اہمیت ہے یہی وجہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا حفیظ الدین کی مسجد میں شروع ہی سے کھڑے ہونے کا دستور رہا تھا۔ میتن گھاٹ خانقاہ کی مسجد میں بھی، درگاہ شاہ ارزاں میں، پٹنہ اور پھلواری شریف کی تقریباً تمام مسجدوں میں۔ دہلی درگاہ نظام الدینؒ، درگاہ قطب صاحب وغیرہ اجمیر شریف میں شروع ہی سے (اقامت کے) سب کو کھڑے ہوتے میں نے خود دیکھا ہے۔

بات معمولی تھی یعنی افضلیت کی لیکن حضرت لطیفیؒ کے موقف کی وضاحت کے لئے اتنا کچھ لکھا گیا۔ غرض یہ کوئی ناجائز جائز کی بات نہیں افضل ہونے کی بات ہے اس لئے اس میں جھگڑا کرنا فضول ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ کھڑے ہونے کی صورت میں صفوں کے برابر کرنے کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔

(۹) جھینگا مچھلی کھانا: اس کے متعلق حضرت لطیفیؒ نے کچھ نہیں لکھا، مگر میرے گھر کا معمول حضرت لطیفیؒ کے وقت سے برابر یہ رہا ہے کہ سب لوگ جھینگا مچھلی شوق سے کھاتے چلے آرہے ہیں میری دادی جان وہ شوق سے پکاتی کھاتی تھیں، اگر حضرت لطیفیؒ اس کا کھانا ناجائز سمجھتے تو ایسا معمول ہرگز نہ ہوتا۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنی کتاب احکام شریعت کے شروع ہی میں اس کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں وہ اس طرح کہ پہلے حلال ہونے کی بات لکھی ہے کہ وہ مچھلی ہے اور مچھلی حلال ہے اخیر میں لکھا ہے کہ "مگر فقیر نے جواہر اخلاطی میں تصریح دیکھا ہے کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے...... جھینگے کی صورت عام مچھلیوں سے بالکل جدا اور گنگچے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے...... اور کچھ بحث کے بعد اخیر میں لکھا ہے "بہرحال ایسے شبہہ واختلاف سے بے ضرر بچنا ہی اولیٰ ہے"۔

خلاصہ یہ کہ جھینگے کی بہت چھوٹی قسمیں مکروہ تحریمی مان رہے ہیں۔

جبکہ ہمارے یہاں بلا تفریق چھوٹی بڑی سب طرح کی جھینگا مچھلی کھانا بلا کراہیت معمول رہا ہے۔

(۱۰) ہندستان دارالاسلام ہے: دارالاسلام کس ملک کو کہا جائے گا یہ تمام علماء جانتے ہیں۔ ہندستان کے متعلق شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندستان کے اس حصہ (کلکتہ سے دہلی تک) کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیدیا تھا جس میں انگریزوں کا عمل دخل ہوگیا تھا۔ شاہ دہلی کا اثر برائے نام تھا۔ اس زمانہ میں یہ فقرہ مشہور تھا ''سلطنت شاہ عالم از دہلی تا پالم'' شاہ عبدالعزیز کا انتقال ۱۸۲۳ء میں ہوگیا اور ۱۸۵۷ء کے جنگ آزادی میں ہندستانیوں کی ہار کے بعد پورا ملک انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ ہزاروں ہندستانی مقتول اور شہید ہوئے۔ بہادر شاہ ظفر قید کر کے رنگون بھیج دیئے گئے تو پورے ملک پر انگریز قابض ہوگئے۔ اسلامی قانون رد اور انگریزی قانون جاری ہوگیا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب انگریزوں کے دور میں تھے۔ انتقال ۱۳۴۰ھ اور وہ فرماتے ہیں ''ہندستان بفضلہٖ دارالاسلام ہے جہاں کے شہروں میں جمعہ جائز ہے''۔ (احکام شریعت از احمد رضا خاں صاحب، ص:۹۱)

حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ سیاسی آدمی نہیں تھے لیکن ایک جگہ انہوں نے ایک دعوت کے جواب میں (ان کو استسقاء کی نماز کی امامت کے لئے کسی نے بلایا تھا) ''اندریں سرزمین کفر وشرک آئین''، یعنی ہندستان کو کفر وشرک کے قانون کی سرزمین قرار دیا اور اس کے آگے مولانا لکھتے ہیں کہ اس نماز میں بدعقیدہ لوگوں کو (جو کفر وشرک سے قریب ہیں) شرکت سے روکنا ممکن نہیں۔ یہ بدعقیدہ لوگ ذمیوں سے کم نہیں ہیں اور حضور ﷺ نے ذمیوں کو استسقاء کی نماز میں شریک کرنے سے منع کیا ہے۔ یہی کہہ کر استسقاء کی نماز میں جانے سے انکار کیا اور گھر پر رہ کر بارش کے لئے دعاء کرنے کو کہا۔

مولانا احمد رضا خان صاحب نے انگریزوں کی ہندستانی حکومت کو دارالاسلام قرار دیا اور ساتھ ہی جنگ عظیم اول میں۔ عالم اسلام کے آخری خلیفہ کو انگریزوں نے قید کیا خلافت کا خاتمہ کیا تو ہندستان میں انجمن خدام کعبہ اور خلافت کمیٹیاں بنیں اور لوگوں نے انگریزوں کے خلاف تحریکیں چلائیں تو ان سب کو خان صاحب نے کافر قرار دیا اوران تحریکوں کی مخالفت کی

اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو حصہ لینے سے منع کیا یہی نہیں ہندستان میں جتنی جماعتیں بھی تھیں جو انگریزوں کے خلاف تھیں۔ سب کو کفر کا فتویٰ دیا۔ مولانا عبدالباریؒ دیوبندی نہیں تھے۔

حضرت لطیفیؒ کے اس جملہ سے جہاں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندستان کو دارالاسلام نہیں مانتے تھے اور اس نظریہ کو تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ ان کے صاحبزادے جناب خواجہ وحید اصغر صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلاف کمیٹی کے جلوسوں میں حصہ لیتے تھے۔

شاہ فرید الحق کا قصہ: شاہ فرید الحق عمادی سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ، منگل تالاب جو بریلی کے مدرسہ منظر اسلام سے فارغ تھے انہوں نے خود مجھ سے کہا کہ مولانا شاہ قائم قتیل دانا پوری اپنے مریدوں کے ساتھ حج کو گئے وہاں انہوں نے حرمین کی جماعت میں وہاں کے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ واپسی پر ان کے مریدوں میں بدظنی پھیلی اور کچھ لوگ اعتراض بھی کرنے لگے کہ امام حرمین کے پیچھے نماز نہیں پڑھی کعبہ اور مسجد نبوی کی جماعتوں سے محروم رہے۔ اپنی خفت مٹانے کے لئے قتیل صاحب نے ایک فتویٰ شائع کیا اس میں تمام حرمین کے مسلمانوں کو ساتھ ہی علمائے دیوبند کو کفر کا فتویٰ دیا، تائید کے لئے دستخط کی غرض سے شاہ فرید الحق کے پاس بھیجا۔ یہ فاضل بریلی ضرور تھے مگر خانقاہ عمادیہ پھلواری شریف خانقاہ کی ایک شاخ ہے اور اپنے اسلاف کی طرح فرید الحق بھی علمائے دیوبند کو کافر نہیں مانتے انہوں نے اس پر لکھ دیا کہ دیوبند والوں کو کفر کا فتویٰ اگر دیا جائے تو مولانا احمد رضا خان صاحب کا سلسلہ پیری مریدی کا باطل ہو جائے گا اس لئے کہ ان کے شجرہ میں مارہرہ کے بزرگ کا نام ہے اور مارہرہ والے سب دیوبندی تھے۔ اس پر قتیل صاحب نے شاہ فرید الحق صاحب کو بھی کفر کا فتویٰ دیدیا۔ شاہ فرید الحق صاحب میرے ہمزلف تھے اور خانقاہ کے اختلاف میں انہوں نے میری حمایت تحریری طور پر کی تھی۔

(۱۱) یوم ولادت اور یوم وفات منانا: یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں حضرت لطیفیؒ دیوبند والوں کے خلاف ہیں اس لئے کہ وہ ۱۲ ربیع الاول کو فاتحہ اور ۶ رجب کو حضرت خواجہ

اجمیریؒ کا عرس اور ٦ شوال کو حضرت مخدوم بہاریؒ کا عرس مناتے تھے لیکن اس میں وہ اہل بریلی کی پیروی نہیں کر رہے تھے اس لئے کہ یہ رسمیں تو صدیوں پہلے سے چلی آرہی تھیں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں بریلوی حضرات سے ان کا اختلاف نہیں تھا۔

(١٢) متبرک راتوں اور دنوں کی باتیں: متبرک راتوں جیسے ٢٧ ویں رجب، پندرہویں شعبان کی راتیں اور بعض راتیں جیسے رمضان میں قدر کی رات ان میں عبادت کی کثرت کرنے تسبیح تلاوت وغیرہ میں مشغول ہونے کے لئے حکم دیا ہے لیکن حلوا روٹی یا چراغاں دیوالی کی طرح کرنا ان سب فضولیات کا تذکرہ نہیں ہے۔ بریلوی حضرات حلوہ روٹی چراغاں کرنے کو کہتے ہیں۔ فضیلت والے انیس دن لکھے ہیں ان میں ١٠ محرم کا ذکر ہے۔ اس میں روزہ رکھنے کو کہا ہے اور تمام فضیلت والے دنوں میں مسلسل اوراد و وضائف کو صوفیاء نے لازم قرار دیا ہے۔ چالیسواں محرم کا کوئی تذکرہ نہیں اور ١٠ محرم میں نہ ڈھول باجہ نہ جھنڈا نہ کھیل کود حتیٰ کہ فاتحہ تک کا کوئی حکم انہوں نے نہیں دیا البتہ ١٠ محرم کو اپنے گھر والوں کو مقدور ہو تو غریبوں کو اچھا کھانا کھلانے کا ثواب بتایا ہے۔

سماع بالمزامیر (باجہ کے ساتھ گانا سننا): یہ مسئلہ بظاہر اختلافی معلوم ہوتا ہے لیکن یہ غور طلب ہے کہ اختلاف کن کن لوگوں کو ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اہل حدیث اس کے مخالف ہیں اور ناجائز کہتے ہیں اور علمائے دیوبند بھی اس کے خلاف ہیں اور ناجائز کہتے ہیں۔ اب رہ گئے بریلوی حضرات تو اپنے کو بریلوی کہنے والے عوام سمجھتے ہیں کہ بریلوی علماء اس کو جائز سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بریلویوں کے قائد مولانا احمد رضا خان صاحب بہت شدت سے باجوں کی مخالفت کرتے ہیں اور مختلف فتوؤں میں اس کو ظاہر بھی کیا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ ان کا فیصلہ بیان کر دیا جائے تاکہ لوگوں کی غلط فہمی دور ہو۔

مولانا احمد رضا خان صاحب ایک سوال کے جواب میں جس میں خانقاہوں میں باجوں کے ساتھ قوالی ہونے اور ان پیروں سے مرید ہونے اور بعض بزرگ کے متعلق قوالی میں

وصال ہو جانے کے سلسلہ میں ہے کہ ایسے پیروں سے مرید ہونا کیسا ہے باجے جائز ہیں یا نہیں۔

الجواب: خالی قوالی جائز ہے اور مزامیر حرام زیادہ غلو اب منتسبان سلسلہ عالیہ چشتیہ کو ہے اور حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی ﷺ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں مزامیر حرام است۔ حضرت مخدوم شرف الملۃ والدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ نے مزامیر کو زنا کے ساتھ شمار کیا ہے۔ اکابر اولیاء نے ہمیشہ فرمایا ہے کہ مجرد شہرت پر نہ جاؤ جب تک میزان شرع پر مستقیم نہ دیکھ لو پیر بنانے کے لئے جو چار شرطیں لازم ہیں ان سے ایک یہ بھی ہے کہ مخالف شرع مطہر آدمی خود اختیار نہ کرے ناجائز فعل کو ناجائز ہی جانے اور ایسی جگہ کسی ذات خاص سے بحث نہ کرے۔

احکام شریعت از مولانا احمد رضا خان صاحب حصۂ دوم، ص: ۶۱-۶۰

علاوہ بریں حضرت سلطان المشائخ حضرت نظام الدین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے سماع کے جائز ہونے کے لئے یہ شرطیں رکھی ہیں ۱۔ گانے والا پورا مرد ہو لیکن لڑکا نہ ہو (داڑھی والا ہو داڑھی منڈا نہ ہو) عورت نہ ہو ۲۔ سننے والا یادِ حق سے غافل نہ ہو (یعنی خدا کی طرف دھیان ہو دنیاوی معشوق کی طرف نہیں) ۳۔ جو گایا جائے فحش اور مسخرگی نہ ہو (بلکہ حمد نعت یا دین جذبات ابھارنے والی غزل ہو) ۴۔ سماع کے آلات جیسے چنگ ورباب اور اس کے مثل (یعنی طبلہ، ڈھول، ستار، ہارمونیم غرض دف کو چھوڑ کر تمام باجے) گانے کے درمیان نہ ہوں تب وہ سماع (قوالی سننا) حلال ہے۔ (احکام شریعت، ج:۱ص:۲۹)

غرض ایک طرف علماء کے فتوے ساتھ ہی اہل طریقت جیسے حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مخدوم بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلے سماع کے حرام ہونے پر موجود ہیں بعض عالم صوفی نے لکھا ہے کہ باجوں کے ساتھ قوالی کے حرام ہونے پر کسی کا اختلاف نہیں ہے (یعنی نہ علماء کا نہ صوفیاء کا) اختلاف ہے بغیر باجہ کے قوالی کے متعلق ہے۔ جو لوگ جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے شعراء ان کی تعریف میں نظم پڑھتے تھے خاص کر حضرت حسان بن ثابت کفار کے ہجویہ اشعار کا جواب حضور ﷺ کے سامنے پڑھتے تھے اور یہ کہ شادی کے موقع

پر کم سن بچیوں کا گانا دف کے ساتھ حضور ﷺ نے سنا۔

لیکن ناجائز کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ یہ اتفاقی طور پر ہوتا تھا لیکن اس کو ایک رسم بنا کر لوگوں کو بلا کر محفل آراستہ کر کے ایک معمول بنا لینا جیسے یہ بھی کوئی عبادت ہو اچھا نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں جہاں مولانا احمد رضا خاں صاحب نے شدت سے باجوں کے ساتھ قوالی کی مخالفت کی ہے وہیں حال قال کا بھی مذاق اڑایا ہے اور یہ توہین آمیز جملہ لکھا ہے کہ ''معلوم ہوتا ہے شیطان پیچھے سے انگلی کرتا ہے اور وہ خوب اچھلتا کودتا ہے'' (احکام شریعت)۔

یہ تو تصویر کا ایک رخ ہوا علمائے دیوبند بھی مزامیر کو حرام لکھتے ہیں لیکن بعض باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ توہین آمیز طریقہ اختیار نہیں کرتے، چند واقعات درج ذیل ہیں۔

(۱) دیوبند کے دو طالب علم جو اونچے درجوں میں پڑھتے تھے سہارنپور ہی کے آس پاس کے تھے ایک دفعہ اپنے گھر گئے ان کے والد صوفی تھے اور سماع کے شوقین اس قدر تھے کہ اس کے بغیر ان کو چین نہیں ہوتا تھا لڑکوں نے ان کو سمجھایا تو انہوں نے سننا چھوڑ دیا کچھ دنوں کے بعد دونوں لڑکے گھر آئے اور خدمت کے لئے باپ کے ہاتھ پاؤں دابنے لگے تو محسوس کیا کہ ان کے سارے بدن پر آبلے پڑے ہوئے ہیں وجہ پوچھی تو بتایا کہ تم نے منع کر دیا تھا میں نے سننا چھوڑ دیا تو یہ حال ہو گیا ان دونوں نے کہا کہ جب یہ حال ہے تو آپ کے لئے جائز ہوگا۔

(۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ چند سال پہلے کشن گنج مدرسہ انجمن اسلامیہ کے ایک جلسہ کے بعد ایک کمرے میں قاضی مصلح صاحب فاضل دیوبند پرنسپل مدرسہ اور شاہ منت اللہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ رحمانی، مونگیر و امیر شریعت، بہار و اڑیسہ، فاضل دیوبند اور میں جمع تھے اور کوئی نہیں تھا مختلف مسائل پر بات ہو رہی تھی اسی میں سماع بالمزامیر کی بات نکلی تو انہوں نے کہا کہ حرام ہونے کا فتویٰ تو دیا جاتا ہے لیکن یہ اس طرح کی چیز تو نہیں جیسے زنا کاری، شراب پینی، ڈاکہ ڈالنا یا چوری کرنا۔ حضرت مولانا شاہ بدرالدین پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ جو پہلے امیر شریعت تھے اور بہت بڑے بزرگ اور عالم دین تھے وہ باجوں کے ساتھ قوالی سنتے تھے اور اس زمانہ میں

دیوبند کے بڑے بڑے علماء موجود تھے لیکن ان کی ولایت میں کسی کو شک نہیں تھا۔

(۳) تیسرا واقعہ اور اہم ہے۔ وہ یہ کہ مولانا احمد حسن کانپوری کا انتقال قوالی سنتے ہوئے ایک شعر پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی اسی کو پڑھتے پڑھتے ان کی روح پرواز کر گئی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کی مجلس میں بعد عصر لوگ جمع تھے کسی نے پوچھ لیا کہ ان کی موت کیسی ہوئی تو اس وقت یہ سوال مولانا کو ناگوار ہوا اور بہت عجیب انداز میں کہا ''فاسقوں کی موت ہوئی'' اور خاموش ہو گئے بہت سنجیدہ ہو گئے خدام خاص نے یہ بات محسوس کی اور پھر کچھ نہیں پوچھا رات کو سونے سے پہلے خاص خدام موجود تھے انہوں نے پوچھا کہ حضرت آپ سے بعد عصر سوال کیا گیا تو آپ نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا بات کیا ہے آخر مولانا احمد حسن صاحب کی موت کیسی ہوئی تو، کہا کہ بہت اچھی موت ہوئی وہ بہت اونچے درجہ کے بزرگ تھے ان کا بڑا اونچا مقام تھا۔ تب خادم نے کہا کہ حضرت اس وقت آپ نے دوسرا جواب دیا تو کہا کہ کیا کرتا عوام کا مجمع تھا اور شریعت کے ظاہری حکم کو بیان نہ کرتا تو کیا کرتا۔ اس واقعہ کی طرف سوال کرنے والے نے اشارہ سے پوچھا تھا کہ بعض کا سماع میں وصال سنا ہے تو جواب میں مولانا احمد رضا خان صاحب نے یہ لکھا: ''ناجائز فعل کو ناجائز ہی جانے کسی ذات خاص سے بحث نہ کرے'' اس سوال سے وہ اپنا دامن بچا گئے۔

مزامیر کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے یہ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ سلسلہ صوفیوں کے یہاں کیوں شروع ہوا۔ یہ بات مانی ہوئی ہے کہ باجہ ماقبل تاریخ سے آدمیوں میں رائج رہا ہے یہاں تک کہ جہاں لوگ نبیوں کی تعلیم اور پیغامات سے محروم رہے وہاں لوگوں نے خیالی بت بنائے اور ان کو گیان دھیان کا مرکز بنا لیا اور باجہ اور گانے سے انجان روحوں کو خوش کر کے خیال کرتے کہ ہم نے خدا کو خوش کر لیا ساتھ ہی بتوں کو وسیلہ سمجھ کر پھل، مٹھائی وغیرہ چڑھاوے چڑھانے لگے یہاں تک کہ جانور کی بلی بھی دینے لگے باجہ گانے کے ساتھ رقص (ناچ) کو بھی عقیدت کے اظہار کا ذریعہ سمجھ لیا۔

صوفی حضرت اکثر مغلوب الحال رہتے ہیں اور اکثر ان پر گیان دھیان کی وجہ سے ''سُکر'' (بے خودی) کی کیفیت طاری رہتی ہے ممکن ہے لوگوں کی بھگتی کے انداز کو دیکھ کر ''دف'' اور گانے کا سلسلہ روحانی اشتعال اور سرمستی کے لئے شروع کیا اور آہستہ آہستہ اور باجے بھی آتے چلے گئے۔ پھر بھی مستند صوفیوں سے جو روایتیں ملتی ہیں انہوں نے قوالی کو تو اختیار کیا مگر باجوں کو (سوائے دف کے) رد کر دیا جیسا کہ میں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کا فتویٰ نقل کر دیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی دو کتابیں خاص تصوف کی ہیں ایک ''ھمعات'' فارسی میں اس میں ایک جگہ ''قبض'' کا علاج لکھا ہے یہ ایک خاص اصطلاح صوفیوں کی ہے اس کا مطلب ہے کہ عبادت میں فرحت ختم ہو جاتی ہے جی نہیں لگتا طبیعت بے کیف رہتی ہے اس کے مقابلہ میں ایک اصطلاح ہے ''بسط'' یعنی دل کھل جاتا ہے عبادت میں جی لگتا ہے فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اور قبض میں گھٹن، بے دلی ہوتی ہے جو صوفی پر شاق ہے۔ اس کا علاج شاہ ولی اللہ صاحب نے موسیقی (راگ، گانا) تجویز کیا ہے اور جب بسط حاصل ہو جائے تو بند کر دے۔ ''ھمعات'' تصوف کے فلسفہ پر کتاب ہے۔ اور ایک کتاب تصوف کے اداب و اشغال پر ہے اس کا نام ''القول الجمیل'' ہے یہ عربی میں ہے اس میں جھاڑ پھونک تعویذات بھی ہیں اس میں یہ بات لکھی ہے۔ اختصار کے خیال سے ترجمہ پیش ہے۔ یہ کہ صوفیوں کے طریقوں کی ترجیح کی بات نہ کرے بعض کی بعض پر۔ اور ان میں سے مغلوب (بے خود) لوگوں پر انکار نہ کرے اور نہ سماع وغیرہ سے متعلق تأویل کرنے والوں پر انکار کرے اور بذات خود پیروی نہ کرے مگر اس چیز کی جو سنت سے ثابت ہے۔

القول الجمیل، ص: ۱۳۹، مطبوعہ ولی اللہ اکیڈمی، لاہور، پاکستان۔

اب ان بیانات کی روشنی میں یہ بتاتا ہوں کہ حضرت لطیفی سماع بالمزامیر پر عمل کرتے تھے لیکن انہوں نے اپنی کتابوں میں اس کی حمایت میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا اور نہ ہی وہ اپنے

مریدوں کو اس کی ہدایت کرتے تھے بلکہ جیسا کہ مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ نے بتایا کہ وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتے تھے کہ کیا کریں اپنے پیر کی بدولت یہ عادت پڑ گئی ہے۔

ماسٹر معین الدین صاحب عماد پوری جو اپنی اخیر عمر میں جبکہ میں مدرسہ کا ناظم تھا مدرسہ لطیفیہ کے مدرس تھے انہوں نے بتایا کہ ''حضرت لطیفیؒ قوالی کی محفل میں عام لوگوں کو شریک ہونے نہیں دیتے تھے کچھ خاص لوگ جو اہل سلسلہ ہوتے تھے وہی شریک ہو سکتے تھے اور مجلس دکھن مکان مدرسہ میں ہوتی تھی خانقاہ میں نہیں اور ہم لوگ باہر پہرہ دیتے تھے کسی کو وہاں آنے نہیں دیتے تھے''۔ میں نے پہلے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے حوالہ سے ۴ شرطیں سماع کی درج کی ہیں ان کے علاوہ ایک شرط اور ہے حاضرین اخوان ہوں یعنی سب اہل طریقت ہوں۔

غرض اس مسئلہ میں حضرت لطیفیؒ کا اختلاف، اہل حدیث دیوبند بریلی تمام طبقوں سے ہے۔ مخالفت میں خاں صاحب زیادہ سخت ہیں۔ اہل حدیث بھی۔ علمائے دیوبند غالباً شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے قول کے مطابق ہنگامہ آرا نہیں ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ کچھ لوگ یہ سمجھ کر چشتی بزرگ باجہ کے قائل ہیں تمام قسم کے باجوں اور عورتوں کے گانوں اور ہر قسم کے گانے فحش وغیرہ کو جائز قرار دیتے ہیں وہ سخت غلط اور گمراہی ہے جس کی کوئی حمایت نہیں کرتا۔

ہر لوالہوس نے حسن پرستی شعار کی　　　اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

اب اپنا ایک قصہ یاد آ گیا وہ یہ کہ میں نے دارالعلوم دیوبند سے اگست ۱۹۴۷ء فاضل پاس کر لیا لیکن اس کے بعد ۱۹۴۸ء کے ختم تک دارالعلوم میں رہا اور اونچے درجہ کی وہ کتابیں پڑھتا رہا جو موقوف علیہ دورہ سے خارج تھیں یعنی ضروری نصاب سے خارج تھیں۔ اس سنہ کی آخری تاریخ یعنی ۳۱ دسمبر کو میں اور میرے ساتھ میرا مضمون نگاری اور فوجی ٹریننگ کا ایک شاگرد مشتاق گیاوی دونوں دارالعلوم سے قریب ایک اُجاڑ سے محلّہ میں حافظ نثار کے یہاں گئے یہ میوزک ماسٹر تھے اور لاہور کے کسی میوزک اسکول میں ٹیچر تھے۔ ۱۵؍ اگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند

کے بعد وہ گھر آ گئے ہم لوگوں کو معلوم ہوا تو ان سے پہلے بات طئے کر کے) حافظ صاحب نابینا تھے انہوں نے ہم لوگوں کو موسیقی کے متعلق باتیں بتائیں اور چند کتابوں کے نام بتائے اور سرگم کی مشق کرائی کہ کس طرح ہر بول کے بعد آواز آہستہ آہستہ بدلتی ہے ہم لوگوں نے کچھ دنوں تک مشق کی اور راگ کھماج کی مشق کی لیکن وہ زمانہ بڑی ہنگامہ آرائیوں کا تھا اور میں مدرسہ میں جمعۃ الطلبہ کا نائب صدر تھا، رات کو پہرہ دلانا۔ پھر پڑھنا اور مضامین لکھنا اور ایک کتاب کی شرح لکھتا اور کچھ طلبہ کو مضمون نگاری سکھاتا ان سب مشاغل کی وجہ سے یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

حاصل کلام یہ کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے نزدیک حضرت لطیفیؒ کی بخشائش تو ہو سکتی ہے مگر خاں صاحب کے نزدیک نہیں۔

مولانا گنگوہی کے متعلق دو واقعات اور ہیں جن کو پڑھنے سے ان کے مزاج اور طرز عمل کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ایک تھے مولوی یعقوب نانوتوی یہ مولانا قاسم نانوتوی اور رشید احمد صاحب کے ساتھ انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں لیڈر کی حیثیت سے لڑتے تھے شکست کے بعد مکہ چلے گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے جب واپس ہوئے تو یعقوب صاحب بہت چنچل تھے کہنے لگے کہ ہم کو تو کچھ نہیں ملا (یعنی سلوک کی تکمیل نہیں ہوئی) اس پر حاجی صاحب نے کہا کہ تم جاؤ تمہارے دونوں ساتھی جو کہیں اس پر عمل کرنا اسی میں تم کو مل جائے گا۔ جب ہند آئے اور دارالعلوم دیوبند کا قیام ہوا تو دونوں نے ان سے کہا کہ مدرسہ میں حدیث پڑھائیں آپ کا سلوک طئے ہو جائے گا۔ وہ بے چین طبیعت کے آدمی تھی۔ اجمیر چلے گئے اور حضرت خواجہ اجمیری کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر مراقبہ میں مصروف ہو گئے تو ان کو کشف ہوا کہ آج سے تمہاری عمر ۱۰ سال ہے تم حدیث پڑھاتے رہو اسی میں تم مل جائے گا۔ وہاں سے واپس ہوئے تو گنگوہ کی راہ لی۔ ادھر گنگوہ میں مولانا گنگوہی بعد عصر اپنی محفل میں بیٹھے تھے اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور قصبہ سے باہر آئے دیکھا کہ دور سے کوئی خاک اڑاتا چلا آ رہا ہے قریب آئے تو یعقوب صاحب تھے۔ سلام کے بعد

مریدوں کو اس کی ہدایت کرتے تھے بلکہ جیسا کہ مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ نے بتایا کہ وہ معذرت خواہانہ انداز میں کہتے تھے کہ کیا کریں اپنے پیر کی بدولت یہ عادت پڑ گئی ہے۔

ماسٹر معین الدین صاحب عماد پوری جو اپنی اخیر عمر میں جبکہ میں مدرسہ کا ناظم تھا مدرسہ لطیفیہ کے مدرس تھے انہوں نے بتایا کہ ''حضرت لطیفیؒ قوالی کی محفل میں عام لوگوں کو شریک ہونے نہیں دیتے تھے کچھ خاص لوگ جو اہل سلسلہ ہوتے تھے وہی شریک ہو سکتے تھے اور مجلس دکھن مکان مدرسہ میں ہوتی تھی خانقاہ میں نہیں اور ہم لوگ باہر پہرہ دیتے تھے کسی کو وہاں آنے نہیں دیتے تھے''۔ میں نے پہلے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے حوالہ سے ۴ شرطیں سماع کی درج کی ہیں ان کے علاوہ ایک شرط اور ہے حاضرین اخوان ہوں یعنی سب اہل طریقت ہوں۔

غرض اس مسئلہ میں حضرت لطیفیؒ کا اختلاف، اہل حدیث دیوبند بریلی تمام طبقوں سے ہے۔ مخالفت میں خاں صاحب زیادہ سخت ہیں۔ اہل حدیث بھی۔ علمائے دیوبند غالباً شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے قول کے مطابق ہنگامہ آرا نہیں ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ کچھ لوگ یہ سمجھ کر چشتی بزرگ باجہ کے قائل ہیں تمام قسم کے باجوں اور عورتوں کے گانوں اور ہر قسم کے گانے فحش وغیرہ کو جائز قرار دیتے ہیں وہ سخت غلط اور گمراہی ہے جس کی کوئی حمایت نہیں کرتا۔

ہر لوالہوس نے حسن پرستی شعار کی   اب آبرو نے شیوۂ اہل نظر گئی

اب اپنا ایک قصہ یاد آ گیا وہ یہ کہ میں نے دارالعلوم دیوبند سے اگست ۱۹۴۷ء فاضل پاس کر لیا لیکن اس کے بعد ۱۹۴۸ء کے ختم تک دارالعلوم میں رہا اور اونچے درجہ کی وہ کتابیں پڑھتا رہا جو موقوف علیہ دورہ سے خارج تھیں یعنی ضروری نصاب سے خارج تھیں۔ اس سنہ کی آخری تاریخ یعنی ۳۱ دسمبر کو میں اور میرے ساتھ میرا مضمون نگاری اور فوجی ٹریننگ کا ایک شاگرد مشتاق گیاوی دونوں دارالعلوم سے قریب ایک اجاڑ سے محلہ میں حافظ نثار کے یہاں گئے یہ میوزک ماسٹر تھے اور لاہور کے کسی میوزک اسکول میں ٹیچر تھے۔ ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند

کے بعد وہ گھر آ گئے ہم لوگوں کو معلوم ہوا تو ان سے پہلے بات طئے کر کے) حافظ صاحب نابینا تھے انہوں نے ہم لوگوں کو موسیقی کے متعلق باتیں بتائیں اور چند کتابوں کے نام بتائے اور سرگم کی مشق کرائی کہ کس طرح ہر بول کے بعد آواز آہستہ آہستہ بدلتی ہے ہم لوگوں نے کچھ دنوں تک مشق کی اور راگ کھماج کی مشق کی لیکن وہ زمانہ بڑی ہنگامہ آرائیوں کا تھا اور میں مدرسہ میں جمعیۃ الطلبہ کا نائب صدر تھا، رات کو پہرہ دلانا۔ پھر پڑھنا اور مضامین لکھنا اور ایک کتاب کی شرح لکھتا اور کچھ طلبہ کو مضمون نگاری سکھاتا ان سب مشاغل کی وجہ سے یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

حاصل کلام یہ کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے نزدیک حضرت لطیفیؒ کی بخشائش تو ہو سکتی ہے مگر خاں صاحب کے نزدیک نہیں۔

مولانا گنگوہی کے متعلق دو واقعات اور ہیں جن کو پڑھنے سے ان کے مزاج اور طرز عمل کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ایک تھے مولوی یعقوب نانوتوی یہ مولانا قاسم نانوتوی اور رشید احمد صاحب کے ساتھ انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں لیڈر کی حیثیت سے لڑتے تھے شکست کے بعد مکہ چلے گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے جب واپس ہوئے تو یعقوب صاحب بہت چنچل تھے کہنے لگے کہ ہم کو تو کچھ نہیں ملا (یعنی سلوک کی تکمیل نہیں ہوئی) اس پر حاجی صاحب نے کہا کہ تم جاؤ تمہارے دونوں ساتھی جو کہیں اس پر عمل کرنا اسی میں تم کو مل جائے گا۔ جب ہند آئے اور دار العلوم دیوبند کا قیام ہوا تو دونوں نے ان سے کہا کہ مدرسہ میں حدیث پڑھائیں آپ کا سلوک طئے ہو جائے گا۔ وہ بے چین طبیعت کے آدمی تھی۔ اجمیر چلے گئے اور حضرت خواجہ اجمیری کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر مراقبہ میں مصروف ہو گئے تو ان کو کشف ہوا کہ آج سے تمہاری عمر ۱۰ سال ہے تم حدیث پڑھاتے رہو اسی میں تم مل جائے گا۔ وہاں سے واپس ہوئے تو گنگوہ کی راہ لی۔ ادھر گنگوہ میں مولانا گنگوہی بعد عصر اپنی محفل میں بیٹھے تھے اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور قصبہ سے باہر آئے دیکھا کہ دور سے کوئی خاک اڑاتا چلا آ رہا ہے قریب آئے تو یعقوب صاحب تھے۔ سلام کے بعد

گنگوہی صاحب نے دور ہی سے کہا کہ ''ہم پر کوئی احسان نہیں بھائی ہم پر کوئی احسان نہیں''۔ رات کو خادموں نے حضرت گنگوہی سے پوچھا کہ آپ کے جملے کا کیا مطلب کہ ''احسان نہیں''۔ انہوں نے کہا کہ ہم لوگوں نے جو ان سے کہا تھا نہیں مانا اب خواجہ صاحب کے یہاں سے ان کو وہی بتایا گیا اب وہ آکر کہتے کہ آپ لوگوں کی بات مان لی اور احسان جتاتے۔ آگے واقعہ یہ کہ ٹھیک اس دن سے ۱۰ سال پورے ہونے پر ان کا انتقال ہو گیا اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) اللہ کے حکم سے اولیاء اللہ کے ذریعہ لوگوں کو پیغام دیا جاتا ہے۔ (۲) کشف قبر کے عمل سے اہل اللہ کی روح سے رابطہ ہوتا ہے لیکن یہ کہ وہ از خود کچھ نہیں کر سکتے اس لئے کہ شاہ ولی اللہ کے مطابق ان کا شمار فرشتوں کی جماعت سے ہو جاتا ہے جو دنیا کے کام انجام دینے پر مامور ہیں مگر وہ صرف خدا کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں خود کچھ نہیں کر سکتے۔ (۳) مولانا گنگوہی صاحب کشف تھے خدا کی طرف سے ان کو وہ بات بتا دی گئی جو مولانا یعقوب کو پیش آئی تھی۔ (۴) مولانا یعقوب بھی صاحب کشف تھے۔

اب ایک واقعہ اور ''مولانا رشید احمد کے پاس مولانا حسین احمد مدنی نے روضہ مبارک ﷺ کی خاک اور ۳ کھجوریں بھیجیں جو مسجد نبوی کے درخت کی تھیں (اگلے زمانہ میں ۱۳۱۸ھ تک مسجد نبوی کے صحن میں بھی کھجوروں کے درخت تھے) مولانا نے غبار کو سرمہ میں ڈال لیا یہ سرمہ روز استعمال کرتے تھے کھجوروں کو بہتر ۷۲ حصہ میں تقسیم کیا اور دوسری کھجوریں جو مدینہ منورہ کی تھیں ان کو تقسیم کر کے فرمایا گٹھلیاں نہ پھینکی جائیں۔ ان گٹھلیوں کو ہاون دستہ میں پسوا کر رکھ لیا روزانہ اس میں سے تھوڑی سی پھانک لیا کرتے تھے (تاریخ مدینہ:۷۲) یہ واقعات اس لئے میں نے لکھے کہ مولانا گنگوہی کا مرتبہ معلوم ہو، اسی وجہ سے حضرت لطیفیؒ ان کے انتقال پر مغموم ہو گئے تھے)۔

حرف آخر

اس کتاب میں پہلے حالات اور واقعات بیان کئے گئے جن کا تعلق حضرت لطیفیؒ کے لوگوں سے تعلقات سے تھے تا کہ ان کو سمجھنے میں مدد مل سکے پھر ان کی کتابوں کا تعارف کرایا اخیر میں لطائف حفظ السالکین کے لطیفوں کا خلاصہ لکھا۔

اور پھر بیان اپنا لکھنا اس لئے ضروری تھا کہ آپ حضرات جان سکیں کہ بچپن سے اب تک حضرت لطیفیؒ کی کتابوں اور حالات سے کتنا تعلق رہا ہے۔ اور میرا رویہ غیر جانبدارانہ ہے۔ اختلافی مسائل میں سے پہلے وہ مسائل لکھے جن میں حضرت لطیفیؒ کا اختلاف اہلِ حدیث سے تھا اس لئے کہ ان کی آخری تعلیم فاضل حدیث کی اہل حدیث عالم سے ہوئی تھی شاید لوگوں کو شبہہ ہو کہ مولانا پر اہل حدیث مکتب فکر کا اثر تھا۔

ایسے ۱۳ مسائل ہیں جن میں سے ۱۲ میں اہل حدیث سے اختلاف ہے اور ایک (دیہات میں جمعہ) میں اتفاق ہے۔

پھر قریب ۱۳ مسائل ایسے ہیں جن میں سے ۱۲ میں علمائے بریلی سے اختلاف اور علمائے دیوبند سے اتفاق ہے اور ایک (صدقہ فطر) میں دونوں سے اختلاف ہے ان کے علاوہ ایک مسئلہ میں علمائے بریلی سے اتفاق ہے۔ غرض حضرت لطیفیؒ کی کتابوں، واقعات اور معمولات سے صرف ایک آدھ مسئلہ میں بریلوی علماء سے اتفاق لیکن اکثر میں علمائے دیوبند سے اتفاق ہے۔

لیکن اس کے باوجود میں ان کو ہرگز دیوبندی نہیں کہتا اس لئے کہ وہ بہت بڑے عالم دین تھے اور بہت بڑے صوفی بھی ان کو دیوبند یا بریلی سے اپنا مسلک درآمد (Import) کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی قرآن، حدیث، فقہ علم کلام اور تصوف کی کتابوں تک براہ راست ان کی رسائی تھی وہ کسی دیوبندی کے شاگرد نہیں تھے بریلوی کے شاگرد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ حضرت لطیفیؒ کی پیدائش ۱۸۲۰ء میں ہوئی تھی اور مولانا احمد رضا خاں صاحب ۱۴ جون ۱۹۵۶ء میں پیدا ہوئے تھے یعنی حضرت لطیفیؒ مولانا احمد رضا خاں صاحب سے ۳۶ برس بڑے تھے۔

غرض مولانا حفیظ الدین لطیفیؒ قدس سرہ کا اپنا مسلک تھا اور ان پر تصوف کا غلبہ تھا اور صوفیائے کرام کے مسلک کے مطابق ان کا مسلک صلح کل تھا جیسا کہ وہ مکتوبات میں لکھتے ہیں:

> ''صوفیوں کے حالات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے دل محبت الٰہی کی مٹھاس پانے کی وجہ سے دنیا کی محبت سے پوری طرح پھرے ہوئے ہیں اور جھگڑے اور مخالفت کی رگیں ان سے نکل گئی ہیں، صوفیا، رحمت و شفقت کی نظر سے تمام مخلوق کو دیکھتے ہیں اور عداوت و مخالفت کے عذاب سے نجات پا چکے ہیں اور ان کو نجات پایا ہوا فرقہ کہا جاتا ہے''۔

اس کے بعد حضرت لطیفیؒ نے تمام حالات میں صوفیوں کی پیروی کی ہدایت کی ہے یہی ان کا پیغام ہے اور ان کا مسلک ہے۔

اپنے خاندان کے لوگ جو ان کی تعلیمات سے منحرف ہیں ان کے متعلق یہی کہنا ہے کہ

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں ہیں　　اسے کیا خبر کہ کیا ہے ۔ وہ رسم شاہبازی

اور یہ کہ

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے　　کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

میں نے اس پیرانہ سال میں کوشش اور محنت کر کے حضرت لطیفیؔ کے تعارف کے لئے یہ لکھ دیا ہو سکتا ہے کہ اور بھی مسائل اختلاف یا اتفاق کے نکل آئیں لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ حضرت لطیفیؔ کے تعارف کے لئے یہ کافی ہے لوگ ٹھنڈے دل و دماغ سے مطالعہ کریں تو سمجھ لیں گے انشاء اللہ۔ آدمی غلطیوں سے بری نہیں مجھ سے بھی انجانے غلطی ہوسکتی ہے اگر کسی کو نظر آئے تو مجھے مطلع کرے میں شکر گذار ہوں گا۔

طالب دعاء　　**شاہ فیاض عالم ولی اللّٰہی چشتی نظامی**

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لطیفیؔ کے خلفاء اور شاگردان خصوصی کا تذکرہ اخیر میں کر دیا جائے۔

(۱) مولانا محمد عابد صاحبؒ، مشرقی چندیپور، ضلع مالدہ (یہ شروع سے اخیر تک مولانا کے شاگرد رہے) شاعر بھی تھے۔

(۲) مولانا ثمیر الدین، کلی گاؤں، ضلع مالدہ۔

(۳) مولوی ثمیر الدین، بیریاتر موہنی امدآباد قریب منیہاری، ضلع کٹیہار (سابق پورنیہ)

(۴) مولانا شرف الدین، گانگی ضلع کشن گنج (سابق ضلع پورنیہ) نقل نویس تھے فارسی عربی جانتے تھے۔ تعلیم کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ یہ شاعر تھے حنیفیؔ تخلص تھا۔

(۵) ایک عالم، فیض آباد، یوپی کے والد صاحب نے کہا نام یاد نہیں۔

(۶) مولانا غلام مصطفیٰ، سہسرامی، فاضل دیوبند، شاگرد شیخ الہند مولانا محمود الحسن۔

(۷) شاہ عطاء حسین، رجہت، ضلع گیا، ان کا سلسلہ بزرگ دوار دربھنگہ تک پھیلا، اب مستی

پور ضلع میں ہے۔

(۸) مولانا یونسؒ رجہت گیا۔انتقال رحمٰن پور ۱۹۴۲ء میں ہوا۔

(۹) مولانا صادق غازی پوری، خانقاہ سے اتر پچھم بانس باڑی کے دکھن پورب ۳ قبروں میں سے ایک ان کی قبر ہے لوگ بھول گئے۔

(۱۰) مولانا محمد علی، رنگ پور بنگال پہلے پاکستان بنا اب بنگلہ دیش ہے۔وہاں خانقاہ جاری ہے۔

(۱۱) مولانا سید ابوظفر امام مظفر قیصر، حضرت لطیفیؒ کے بڑے صاحبزادے، ان کے شاگرد، خلیفہ، خانقاہ لطیفی کے پہلے سجادہ نشین۔

اہم شاگرد: مولانا محمد عثمان سہسرامی مہاجر مکی مدرس مدرسہ صوتیہ مکہ مکرمہ (یہ قریب سو کتابوں کے مصنف تھے سب عربی میں، وفات وہیں ہوئی)۔

چند یہ ہیں: عبدالجلیل، نصیرالدین، عبدالحمید، عبدالشکور، مولانا محمد عابد مشرقی۔

حضرت لطیفیؒ کی کچھ کتابوں کا تذکرہ اس کتاب میں ہو چکا ہے۔لطائف کا تو میں نے خلاصہ ہی لکھ دیا ہے اس لئے کہ یہ کتاب ان کی کتابوں میں خاص اہمیت رکھتی ہے اس لئے کہ انہوں نے اپنے مریدین اور متوسلین کی ہدایت کے لئے لکھی ہے اس کے علاوہ اور کتابیں ہیں:

(۱) دیوان لطیفی: یہ ان کی شاعری کا مجموعہ ہے اکثر کلام ان کا فارسی میں ہے، کچھ عربی اور کچھ اردو۔ یہ کتاب پٹنہ میں ۱۹۳۸ء میں چھپی اس کے صفحات ۱۰۲ ہیں۔اس میں حمد، نعت، منقبت اور غزلیں ہیں۔

(۲) مکتوبات لطیفی: صفحات: ۸۰، بنارس میں ۱۹۲۸ء میں چھپی۔اس میں اہم خطوط ہیں جو انہوں نے اپنے مریدوں، شاگردوں کو لکھے ہیں اور ان خطوط میں شریعت و طریقت کے اہم مسائل بتائے گئے ہیں۔اس کا ترجمہ منشی مولا بخش ریاپوری نے اردو میں کیا تھا (یہ جگہ رحمٰن پور سے قریب ہے) یہ ترجمہ میرے پاس تھا مگر افسوس کہ گھر ہی کے کسی نے یہ کتاب چرالی۔

(۳) نحو (عربی قواعد) میں بھی ایک کتاب تھی لیکن اس کا نام ہی سنا ہے دیکھا نہیں۔

(۴) منطق یہ بھی اردو میں کتاب تھی جو ملی اور غائب ہوگئی اس کتاب میں اس کا تذکرہ ہے۔

(۵) جمعہ اور عیدین کے خطبے عربی زبان میں قلمی میرے پاس موجود ہیں۔ اس کو چھاپنا مشکل ہے اولاً تو اس کا اردو ترجمہ ضروری ہے اب ترجمہ کے بعد کتاب خاصی ضخیم ہوگی اس لئے کہ ہر ماہ کے لئے ۵ خطبے موجود ہیں اگر یہ کتاب چھپے تو 200 سے کم قیمت اس کی نہیں ہوگی۔

(۶) ''تلک عشرۃ کاملہ'' فارسی میں وحدۃ الوجود پر یہ کتاب دس ہی صفحات پر اور دس ہی دلیل اس میں ہیں۔

(۷) عجالۂ نافعہ: چھوٹا سا رسالہ اپنے لڑکے کے لئے لکھا تذکرہ پہلے ہوگیا ہے۔

(۸) مجموعۂ رسائل اس میں یہ چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں (۱) الٰہی نامہ (۲) خذ بجدہ (۳) بما اغنی من الکلام (۴) رفعات لطیفیہ۔

(۹) دوسرا مجموعہ رسائل اس میں یہ چھوٹے رسالے میں (۱) تسہیل التصریف (۲) جریس الغیب (۳) جسیر الغیب (۴) وسیلۃ التصریف۔ ان کتابوں کا ذکر کتاب میں......ہو چکا ہے۔

اخیر میں حضرت لطیفیؔ کے ایک اہم ترین شاگرد کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا وہ ہیں مولانا عثمان سہسرامی۔ یہ مولانا کے شاگرد تھے میں نے ان کا تذکرہ کسی سے نہیں سنا بس اتفاق سے ان کی دو کتابیں لکھی ہوئی مجھے گھر میں ملیں دونوں کا تعلق عربی قواعد سے ہے اور دونوں کتابیں عربی میں تھیں۔ اور ان پر لکھا تھا ہدیہ بخدمت فیض درجت استاذی حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفیؔ۔ اخیر میں لکھا تھا از عثمان سہسرامی، مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ۔

بس ان دو کتابوں پر یہی لکھا تھا۔ میں جب ۱۹۹۹ء میں حج کو گیا تو یہ کتابیں ساتھ لیتا گیا اور کعبہ سے قریب مدرسہ صولتیہ گیا وہاں کے ناظم سے ملاقات کی اور مولانا عثمانؒ کے بارے

میں پوچھا انہوں نے کچھ ریکارڈ دیکھ کر بتایا کہ ہاں وہ یہاں مدرس تھے۔ بہت دنوں پہلے ان کا انتقال ہوگیا اور وہ یہاں اکیلے ہی آئے تھے اس لئے ان کا کوئی یہاں نہیں ہے اور جب وہ ریٹائرڈ ہوگئے تو مدرسہ میں ان کو ہاسٹل کا نگراں بنا دیا گیا طلبہ ان سے کتابوں کے مشکل مقامات حل کراتے تھے اور انہوں نے ایک سو کتابیں عربی میں لکھیں۔ اس لئے بحیثیت مصنف وہ بھی عربی میں ان کی حیثیت حضرت لطیفیؒ کے شاگردوں میں سب سے نمایاں ہے۔

کچھ مدرسہ صولتیہ کے بارے میں: یہ مدرسہ ۱۸۵۷ء کے بعد مکہ میں قائم ہوا اس کو قائم کرنے والے مشہور مجاہد آزادی مولانا رحمت اللہ کیرانوی تھے یہ اس جنگ میں اپنے ساتھیوں مولانا محمد قاسم نانوتوی بانئ دارالعلوم دیوبند اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جہاد میں شریک تھے اور شاملی مظفرنگر وغیرہ سے انگریزوں کو بے دخل کر دیا بعد کو انگریزوں کی ٹرینڈ فوج نئے ہتھیاروں سے مسلح آئی تو مجاہدین شکست کھا گئے اور پھر مجاہدین کے نمائندوں کی گرفتاریوں کے لئے تلاشی شروع ہوئی یہ لوگ پکڑے جاتے تو پھانسی ہو جاتی چنانچہ یہ لوگ بچ بچا کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور پھر کچھ دنوں بعد مولانا قاسم نے دیوبند میں دارالعلوم قائم کیا اور مولانا رحمت اللہ نے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں قائم کیا اور اسی مدرسہ میں ایک مدرس مولانا عثمان سہسرامی تھے اور میرے خیال میں وہاں کے کسی اور مدرس نے اتنی کتابیں نہیں لکھی ہوں گی جتنی مولانا عثمان سہسرامی نے لکھیں۔

حضرت لطیفیؒ کا پیغام امن وسلامت

فارغاں را با کسے ہرگز خلاف و جنگ نیست
جاہلاں ہر ساعتے اندر خلافند و شقاق
عاشقا تسبیح و زنارت یکے شد بے شکے
مذہب تو عشق آمد مشرب تو اشتیاق
(دیوان لطیفیؒ)

فارغوں کو کب کسی سے اخلاف اور جنگ ہے
جاہلوں کا کام ہے ہر دم خلاف اور افتراق
تو ہے عاشق سبحہ وزنار تجھ کو ایک ہیں
تیرا مذہب عشق ہے اور تیرا مشرب اشتیاق
(ترجمہ شاہ فیاض عالم ولی اللّٰہی)

حضرت لطیفیؒ کی کتابیں

(۱) ''لطائف حفظ السالکین'':

اس کتاب میں حضرت لطیفیؒ نے اپنے متوسلین کے لئے تصوف کے اداب واشغال درج کردیئے ہیں یہ کتاب بہت مفید ہے۔ کتاب فارسی میں ساتھ ہی ترجمہ اردو میں ہے۔

(۲) **مکتوبات لطیفیؒ:**

حضرت لطیفیؒ کے ان خطوط کا مجموعہ جوانھوں نے اپنے مریدوں، شاگردوں کے نام لکھے ہیں اس میں شریعت وطریقت کے اہم مسائل سے بحث کی ہے۔ یہ کتاب فارسی میں ہے۔

(۳) **دیوان لطیفیؒ:**

حضرت لطیفیؒ ایک بڑے شاعر بھی تھے اس دیوان میں ان کا کلام ہے حمد ونعت و منقبت کے علاوہ دلکش اور وجد آفرین غزلیں اس میں درج ہیں اکثر کلام فارسی میں ہے کچھ عربی اور کچھ اردو میں۔

یہ تینوں کتابیں مل سکتی ہیں۔ اس پتہ پر رابطہ کیجئے:

ملنے کا پتہ: سجادہ نشین خانقاہ عابدیہ، چندی پور

At. + P.O. Chandipur, Via: Tulsi Hatta

Distt : Malda (W.B.)

مصنف کی دوسری کتابیں

(۱) اقبال کا فلسفۂ حیات

(۲) مسلمانوں کی تعلیم اور نصاب تعلیم

(۳) دیوان غالب صاحب (ڈرامہ)

(۴) ترجمہ لطائف حفظ السالکین — منتظر اشاعت

(۵) بنیاد پرستی اور اسلام — ''

(۶) مطالبۂ جہیز اور اسلام — ''

(۷) فہم قرآن (قرآن سے متعلق مضامین کا مجموعہ) — ''

(۸) تعویذ کا استعمال — ''

(۹) اسلامی مساوات اور کفو — ''

(۱۰) عورت اور اسلام — ''

(۱۱) اشتراکیت اور اسلام — ''

(۱۲) مذہبی مقالات — ''

(۱۳) ادبی مقالات — ''

(۱۴) افسانوں کا مجموعہ — ''

(۱۵) ''تصفیۃ العقائد'' کی شرح
(سرسید کے آزاد خیالات کے جوابات مولانا محمد قاسمؒ کی طرف سے)

(۱۶) منصبِ رسالت